

زَنْكَ حَتَّى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴿﴾ اور اس کا ترجمہ اس طرح کیا: ”صرف اُس وقت تک اپنے رب کی عبادت کر جب تک تجھے یقین نہ حاصل ہو۔“ جب معرفت یا یقین حاصل ہو جائے تو اتباع شریعت کی حاجت نہیں ہے۔

باطنیہ نے اس طرح لاکھوں مسلمانوں کو گمراہ کر دیا۔ عوام کے پاس کوئی آلہ یا معیار نہ اُس وقت تک تھا، نہ اب ہے، نہ آئندہ کبھی ہوگا، جس کی مدد سے وہ یہ معلوم کر سکتے کہ یہ شخص جو ظاہر میں صوفیوں کا لباس پہنے ہوئے بیٹھا تصوف کے ”اسرار و رموز“ بیان کر رہا ہے، باطن میں کیا ہے؟ اگر کسی عامی نے اعتراض بھی کیا کہ یہ قول قرآن یا حدیث کے خلاف ہے تو معتقدین نے اسے گستاخ قرار دے کر مجلس سے باہر نکال دیا۔ قصہ ختم شد۔

پھر یہی طریقہ آج بھی سنی عوام کے دلوں میں جو یہ تفریق جاگزین ہے اور وہ اپنے ”بزرگوں“ کی خلافِ شرع باتوں پر اعتراض نہیں کرتے بلکہ ان کو از قبیل رموز و اسرارِ طریقت سمجھتے ہیں، یہ تفریق عبد اللہ بن سبا کے تبعین کی پیدا کردہ ہے اور بیس سال کے مطالعہ کے بعد میرا پختہ عقیدہ یہ ہے کہ سبائیت اور اس کی کھری ہوئی صورت یعنی باطنیت دراصل نبوت و رسالت محمدیؐ کے خلاف ایک بغاوت یا باغیانہ تحریک تھی، یعنی ولایت کے پردے میں نبوت کی تحقیر و تذلیل۔ ثبوت ملاحظہ ہو:

اقتباس از ولایت نامہ، تالیف سلطان العارفین و برہان الواصلین مولا الشہید الحاج ملا سلطان محمد گنابادی۔ سلطان علی شاہ۔ چاپ دوم۔ چاپخانہ دانش گاہ تہران ۱۳۸۵ قمری، صفحہ ۳۵

”قبول رسالت بیعت کردن است بر قبول احکام ظاہری و قبول ولایت بیعت کردن است بر قبول احکام باطنی۔ اول را اسلام و ثانی را ایمان می گویند و چون قبول رسالت بجهت وصول بسوئے ولایت است کہ فرمود ﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَيْتُمُ لِلْإِيمَانِ﴾ (۱۷: ۴۹) و فرمود ﴿إِنْ لَمْ تَفْعَلْ لَمَّا يَبْلُغْ رِسَالَتَهُ﴾ (۶۷: ۵) یعنی رسالت تو مقدمہ ولایت علیہ السلام است اگر تبلیغ

ولایت نہ کردی و بیعت بولایت علیؑ تہج تبلیغ رسالت نہ کردہ کہ مقدمہ بدون
ذی مقدمہ وجودش باعدم مساوی است و بملاحظہ حیثیت رسالت و ولایت
نسبت بحدیث دادہ شد کہ لَوْ لَا عَلِيُّ لَمَا خَلَقْتُكَ (انتہی بلفظہ)

میں نے یہ زحمت نقل اس لئے گوارا کی ہے کہ اگر میں اس عبارت کا اردو ترجمہ
درج کر دیتا تو بعض قارئین ضرور دل میں کہتے کہ مصنف نے یہ باتیں نہ لکھی ہوں گی
مترجم سے ترجمہ کرنے میں غلطی ہوگئی یا مفہوم تک اس کی رسائی نہ ہو سکی۔ لیکن ان
لوگوں کی خاطر جو عربی و فارسی نہیں جانتے اس کا مطلب ذیل میں درج کئے
دیتا ہوں۔

(۱) مصنف کی نقل کردہ پہلی آیت قرآن مجید یوں ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ أَطِيعُوا اللَّهَ يَمُنْ عَلَيْكُمْ
أَنْ هَذَا كُمْ لِلْإِيمَانِ﴾ (الحجرات: ۱۷) یعنی ”بلکہ اللہ احسان رکھتا ہے اوپر
ہمارے لیے یہ کہ یہی حق نام کو طرف ایمان کے۔“

(۲) قبول رسالت کا معنی ہے بیعت کرنا احکام ظاہری کے قبول کرنے پر۔
(۳) قبول ولایت کا معنی ہے بیعت کرنا احکام باطنی کے قبول کرنے پر۔ (یعنی
رسالت کا تعلق احکام ظاہری سے ہے اور ولایت کا تعلق احکام باطنی سے ہے۔ یہی
تعلیم باطنیہ نے دی تھی یعنی احکام ظاہری اور باطنی کی تفریق جس سے شریعت اور
طریقت میں تفریق پیدا ہوگئی اور امت میں تفرقہ رونما ہو گیا۔

(۴) رسالت محمدی کو قبول کرنا اسلام ہے ولایت علی کو قبول کرنا ایمان ہے۔
(۵) اے رسول (ﷺ) اگر تو نے ایسا نہ کیا پس نہ پہنچایا تو نے پیغام اس (اللہ)
کا (المائدہ: ۶۷)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد! تیری رسالت مقدمہ ہے ولایت علیؑ کا۔
اگر تو نے ولایت کی تبلیغ نہیں کی اور ولایت کی بیعت نہیں لی تو رسالت کی تبلیغ بالکل نہیں
کی کیونکہ مقدمہ اگر ذی المقدمہ کے بغیر ہو تو اس کا وجود اور عدم دونوں مساوی ہیں۔
(۶) رسالت اور ولایت کی حیثیت کو مد نظر رکھ کر اس حدیث سے نسبت دی گئی کہ
”اگر علی (پیدا) نہ تو اے محمد میں تجھے (بھی) پیدا نہ کرتا۔“

اس عبارت پر راقم الحروف کو یارائے تبصرہ ہے نہ حوصلہ تنقید صرف دو تین باتوں پر اکتفا کرتا ہے۔

(۸) اس عبارت سے ثابت ہوا کہ ولایت نبوت سے افضل ہوتی ہے کیونکہ ایمان بہر حال افضل ہے اسلام سے۔

(ب) جب تک ایک شخص ولایت علیؑ پر ایمان نہ لائے مؤمن نہیں ہو سکتا۔

(ج) رسالت محمدیؐ کی بذاتِ خویش کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور نہ مقصود بالذات ہے بلکہ وہ مقدمہ ہے ولایت علیؑ کا اور اس لئے منطقی طور پر مقصود بالعرض ہے۔

(د) رسالت ذریعہ یا واسطہ ہے حصول مقصد کا اور وہ مقصد ہے ”گرفتن بیعت ولایت

علیؑ“ اور یہ بات محتاج ثبوت نہیں ہے کہ ذی واسطہ یا مقصد واسطے یا وسیلے سے

افضل ہو سکتا ہے اس لئے ولایت افضل ہے رسالت سے۔ یعنی صاحب ولایت افضل ہے صاحب رسالت سے۔ بالفاظ واضح تر حضرت علیؑ افضل ہیں حضرت

رسول اللہ ﷺ سے۔

(۶) قرآن سے تو یہ معلوم ہے کہ بعثت رسول کا مقصد یہ ہے کہ وہ دین الحق (اسلام) کو

تمام ادیان عالم پر غالب کر دے۔ کما قال اللہ عز وجل ﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ

بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ (اللہ) وہی ہے جس نے بھیجا

اپنے رسول کو ساتھ ہدایت اور دین حق کے تاکہ وہ اس کو غالب کر دے سب

دینوں پر۔“

لیکن سلطان العارفین فرماتے ہیں کہ اللہ نے رسول کو اس لئے بھیجا کہ وہ حضرت

علیؑ کی ولایت پر لوگوں سے بیعت لے اور اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو اس کا وجود اور عدم

دونوں برابر ہو جائیں گے۔

یہ وہ نکتہ ہے جس میں فہم سرگردان ہے اور عقل حیران ہے۔

اگر اس جگہ یہ اعتراض کیا جائے کہ ﴿بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ

تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾ کا ترجمہ تو یہ ہو گا کہ ”اے رسول پہنچا دے (لوگوں کو) جو

کچھ اتارا گیا ہے تیری طرف تیرے رب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو نے تو نہ

پہنچایا پیغام اس کا۔“ اب نہ تو ان دونوں جملوں میں حضرت علیؑ کا اسم گرامی آیا ہے اور نہ سارے قرآن میں کہیں ان کا نام آیا ہے (۲۵) نہ ان آیتوں سے پہلے ان کا تذکرہ ہے اور نہ ان کے بعد ان کا تذکرہ ہے۔ پس اندریں صورت ان دو آیتوں سے حضرت علیؑ کا تعلق کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟ تبلیغ کا مطلب تبلیغ ولایت و بیعت گرفتن ولایت علیؑ کیسے ہو سکتا ہے؟ ﴿مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ﴾ کا مقصد تو قرآن ہے کیونکہ وہی آنحضرت ﷺ پر بواسطہ جبریل نازل ہوتا رہا۔ تو مطلب یہ ہوا کہ قرآن (لوگوں) کو پہنچا اور اسی قرآن کی طرف لوگوں کو دعوت دے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو ظاہری معنی ہیں لیکن سلطان العارفین نے اس کے باطنی معنی بیان کئے ہیں جو صرف ”اہل اسرار“ پر منکشف ہوتے ہیں صرفیوں اور نحویوں کی رسائی اس مقام تک نہیں ہو سکتی۔

باطنی معنی کا نئے کے لئے قرآن کے ظاہری الفاظ کی تاویل اس طریقے اور اس انداز سے کرنا کہ صرف ’نحو‘ معانی بیان عقل اور خرد سب کا خاتمہ ہو جائے اور پڑھنے والا وادی حیرت میں گم ہو جائے باطنیہ کا سب سے بڑا احسان ہے امت محمدیؑ پر جس کا اندازہ یہ امت ابھی تک نہیں لگا سکی ہے۔ یہ فتنہ رومی کے زمانے میں اپنے شباب کو پہنچ چکا تھا اس لئے انہوں نے مسلمانوں کو اس طرح متنبہ کیا ہے۔

می کنی تاویل حرف بکر را
خویش را تاویل کن نے ذکر را

(۲۵) اللہ کو بخوبی معلوم تھا کہ عبد اللہ بن سباء اسلام میں شخصیت پرستی کا فتنہ پیدا کرے گا اس لئے اس نے قرآن میں صرف ان دو آدمیوں کا ذکر ان کا نام لے کر کیا (ابولہب اور زید) جن کے بارے میں اسے علم تھا کہ سبائی ان ناموں کو استعمال نہیں کریں گے۔ اللہ نے اس باب میں اس قدر احتیاط ملحوظ فرمائی کہ لسانی النہین اذ هما فی الغار کو یار غار کے نام پر ترجیح دی۔ یعنی چھ الفاظ استعمال کئے گئے مگر ایک لفظ ابو بکرؓ نہ فرمایا۔ لیکن یہ چھ الفاظ ایسے ہیں کہ سبائی بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ثانی سے حضرت ابو بکرؓ ہی مراد ہیں۔ ثانی کی تائید دیکھئے کہ صدیق اکبرؓ ہر بات میں ثانی ہیں۔ چنانچہ اقبال مرحوم نے لکھا ہے:

ہمت او کفایت را چو ابر
ثانی اسلام و غار و بدر و قبر

میرا خیال ہے کہ آیت زیر بحث کے جو معنی ”برہان الواصلین“ نے بیان کئے ہیں وہ رسول تو کیا خدا کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آئے ہوں گے۔ شاید اقبال نے اسی قسم کی تاویلاتِ باطلہ کے نمونے دیکھ کر یہ قطعہ کہا ہوگا۔

ز من بر صوفی و ملا سلاے
کہ پیغامِ خدا گفتند ما را
ولے تاویلِ شاں در حیرتِ انداخت
خدا و جبریل و مصطفیٰ را!

باطنیہ کی اسی تدبیس کی بدولت صحیح اسلامی (قرآنی) تصوف کی ساتویں صدی ہجری میں ایسی قلبِ ماہیت ہو چکی تھی کہ تصوف اور تشیع مترادف الفاظ بن گئے تھے۔ چنانچہ حیدر علی آملی صاحب تفسیر بحر الاسرار نے لکھا ہے:

”تصوف طریقہ مرتضوی است و تصوف و تشیع یک معنی دارد“

(ماخوذ از اصول تصوف مؤلفہ ذاکٹر احسان اللہ استخری، صفحہ ۲۰)

یہی مؤلف ولایت کی بحث میں لکھتا ہے:

”ولایت از آن خدا است و بر آں ایں آیت شہد است ﴿هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ﴾ (۲۶) از خدا بمصطفیٰ دوراں حقیقت جامعیت است، علی وفاطمہ تا حضرت قائم ثانی عشر، یک پایہ و دارائے یک مایہ اند۔ چنانچہ رسول فرمود:

(۱) اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي (ب) اَنَا وَ عَلِيٌّ مِنْ نُورٍ وَاحِدٍ (شاعرے ایں

۲۶) مصنف نے اس آیت سے جو استدلال کیا ہے وہ سراسر غلط ہے بلکہ قرآن پر ظلمِ عظیم ہے۔ مصنف اتنی عربی ضرور جانتا ہوگا کہ وَلَايَةُ اور وَلَايَةُ میں فرق کر سکے مگر اس نے دانستہ تحریف معنوی سے کام لیا تاکہ وہ یہ کہہ سکے کہ اس آیت کی رو سے ”ولایت از آن خدا است“۔ اس آیت کا یہ مطلب اور معنی ہرگز نہیں ہیں۔ دلائل یہ ہیں:

(۱) آیت میں لفظ وَلَايَةُ ہے نہ کہ وَلَايَةُ اور ان دونوں لفظوں میں بہت فرق ہے۔ وَلَايَةُ (داؤ پر زبر کے ساتھ) کا معنی ہے نصرت یا مدد دیا کار سازی۔ وَلَايَةُ (داؤ کے نیچے زیر) کا معنی ہے حکومت یا اقتدار یا ملک (دیکھو مخبری)

(۲) اس آیت کے سیاق و سباق سے ثابت ہے کہ یہاں ولایت مرعومہ و مفروضہ کا قطعاً ذکر نہیں بلکہ میں قارئین کی آگاہی کے لئے اس بات کا اضافہ کرتا ہوں کہ

حدیث را چنین نظم کرده است) اصول تصوف مؤلفہ ڈاکٹر احسان اللہ استخریٰ
(صفحہ ۶۹)

علی و مصطفیٰ ہجو دو دیدہ
ز یک نور جلیل اند آفریدہ

پورے قرآن میں ولایت مزمومہ کا کہیں تذکرہ نہیں ہے۔ اللہ کو معلوم تھا کہ سبائی حضرت علیؑ سے ولایت کو منسوب کر کے انہیں رسول سے بھی بڑھا دیں گے اس لئے اللہ نے دو جگہ ولایت تو استعمال کیا ہے۔ (دیکھو ۲: ۸) ﴿مَا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ﴾ مگر لفظ ولایت کہیں استعمال نہیں کیا۔ قرآن میں نہ کہیں لفظ علی (اسم زوج قاطبہ) آیا ہے نہ لفظ ولایت آیا ہے اور نہ ولایت علی کا کوئی تذکرہ ہے۔ ہر مومن متقی اللہ کا ولی (دوست) ہے اور اللہ اس کا ولی (دوست) ہے باز آدم بر سر مطلب آیت زیر بحث سے پہلے اللہ نے دو آدمیوں کی مثال بغرض لایا۔ (دیکھو ۲: ۸) ﴿مَا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ﴾ ایک کو اللہ نے باغ اور دولت دی جس پر اس نے تکبر کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے اسے ان نعمتوں سے محروم کر دیا۔ اس نے کہا ﴿يَلْبِسُنِي لَمَ اُشْرِكْ بِرَبِّيْ اَحَدًا﴾ پھر آگے آیت میں اللہ فرماتا ہے کہ کوئی جماعت اسے مدد نہ دے سکی اور نہ وہ خود بدلے سکا۔ اس کے بعد یہ آیت ہے کہ ﴿هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ﴾ یعنی ”حقیقت یہ ہے کہ حکمرانی، کارسازی اور نصرت یہ ساری باتیں صرف اللہ کے لئے ثابت ہیں جو الحق یعنی سچا اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔“

اب قارئین خود ہی فیصلہ کر لیں کہ اس آیت کو سبائیوں کی موزومہ ولایت سے کیا تعلق ہے۔ لیکن اس فرقے نے باطنی مفہوم مستخرج کرنے کیلئے پہلے تاویل کا دروازہ کھولا، پھر تاویل کے ذریعے سے پورے قرآن کو باز بچہ اطفال بنا دیا۔ اس کی مثالیں سبائے باطنیہ قرامطہ کے لڑ بچے سے بآسانی مل سکتی ہیں۔ تفصیل کیلئے دیکھو ”قواعد آل محمد (باطنیہ) تالیف محمد بن حسن الایلمی یمانی زمانہ تصنیف ۷۰۷ھ صفحہ ۱۷۱۔ مثلاً طہارۃ سے مراد ہے مذہب باطنی کے علاوہ ہر مذہب سے برأت، زنا سے مراد ہے علم باطن کے نطفے کو کسی ایسی ہستی کی طرف منتقل کرنا جو عہد میں شریک نہ ہو، روزے سے مراد ہے افشائے راز سے پرہیز کرنا، نماز سے مراد ہے امام وقت کی طرف لوگوں کو دعوت دینا، تیمم سے مراد ہے ماذون سے علم حاصل کرنا، حج سے مراد ہے اس علم کا طلب کرنا جو منزل مقصود ہے، زکوٰۃ سے مراد ہے اہل استعداد میں اشاعت علم کرنا۔“ (منقول از تاریخ دعوت و عزیمت مؤلفہ مولانا ابوالحسن علی ندوی صفحہ ۱۰۸)

مقصود ان تصریحات سے یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں نقشبندی سلسلے کے علاوہ جس قدر سلسلے سنیوں میں پائے جاتے ہیں سب میں کم و بیش یہی عقائد مسلم اور مقبول ہیں۔ سنی عوام کا تو ذکر ہی کیا ہے خواص بھی حضرت علیؑ کے بارے میں یہی عقائد رکھتے ہیں، بلکہ بوقت حاجت رسول کے بجائے انہی کو پکارتے ہیں۔ اور کیوں نہ پکاریں جب وہ اپنے بزرگان سلسلہ کی تصانیف میں یہ پڑھتے رہتے ہوں کہ جنگ تبوک میں خود آنحضرت ﷺ نے ”مولا علیؑ“ کو پکارا تھا۔

اسی لئے عصر حاضر کے مصری محقق ڈاکٹر ذکی مبارک کو یہ کہنے کا موقع مل سکا:

و الواقع ان الصلة بين التشيع و التصوف فعلى هو معبود الشيعة و

امام الصوفية (التصوف الاسلامي مؤلفه ڈاکٹر ذکی مبارک جلد دوم صفحہ ۲۳)

باطنیات کے اثرات تصوف پر

اب ناظرین خود غور کر لیں کہ جن لوگوں (باطنیہ) نے قرآن کے ساتھ یہ تلعب (کھیل) کیا، انہیں اسلامی تصوف کو کفر و شرک کا ملغوبہ بنا دینے میں کیا تاثر ہو سکتا تھا۔ ان کو تو اہل سنت کو گمراہ کرنا تھا۔ چونکہ تصوف کی راہ سے گمراہی کی اشاعت آسان ترین تھی اور کامیابی یقینی تھی اس لئے انہوں نے اسلامی تصوف ہی کو خاص طور سے ہدف تدسیس و تلمیس و تحریف بنایا اور جھوٹی روایتوں کو سنی صوفیوں کے دماغوں میں اس طرح جاگزیں کر دیا کہ اکثر نے انہیں بلا تحقیق قبول کر لیا اور ان روایتوں کے زیر اثر اکثر صوفیوں کے عقیدے اہل سنت کے مسلمہ عقائد سے مختلف ہو گئے، بلکہ وہ بعض عقائد میں سبائیوں کے ہم نوا ہو گئے۔ اس کی چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں (واللہ المستعان)

(۱) عزالدین محمود بن علی کاشانی متوفی ۷۳۵ھ نے تصوف میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام ہے ”مصابح الہدایہ و مفتاح الکفایہ“ اس کو پروفیسر جلال الدین ہامائی کے مقدمے اور تعلیقات کے ساتھ کتاب خانہ سنائی نے طہران سے شائع کیا ہے۔ پروفیسر مذکور نے اپنے مقدمے کا آغاز اپنی مخصوص ذہنیت کی بناء پر بسم اللہ الرحمن

الرحیم کے بجائے ”بنام خداوند بخشنده بخشایش گر مہربان“ سے کیا ہے حالانکہ ہر عالم جانتا ہے کہ لفظ ”خداوند“ اللہ کے مفہوم کو ادا نہیں کر سکتا۔

چونکہ کاشانی نے یہ کتاب شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی عوارف المعارف کو سامنے رکھ کر لکھی ہے اس لئے بعض لوگوں کو یہ مغالطہ لاحق ہو گیا کہ یہ کتاب اس کا ترجمہ ہے۔ چنانچہ نو لکھنوی نسخے میں اسے ترجمہ ہی لکھا گیا ہے۔

چونکہ کاشانی باطن شیعہ ہے (جیسا کہ آگے چل کر واضح کروں گا) اس لئے مقدمہ نگار نے اس کی خدمت میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔ چنانچہ پروفیسر ہائی اپنے مقدمے میں خود لکھتا ہے:

(۱) وہ ہر جگہ آل محمدؑ پر صلوات کو محمدؑ پر صلوات کی ردیف قرار دیتا ہے مثلاً دیکھو دعائے بعد از طعام صفحہ ۲۷: الحمد لله الذي اطعمنا هذا ورزقناه من غير حول منا اللهم صل على محمد و آل محمد۔ (اتحی بلفظ صفحہ ۲۷)

(ب) آیت نبویؐ کے بارے میں وہ شیعہ کی طرح یہ روایت کرتا ہے کہ علی علیہ السلام کے علاوہ کسی نے اس آیت پر عمل نہیں کیا اور اس طرح موافق مناقب سے ممتاز ہو گیا۔ (صفحہ ۲۲۳)

(ج) ایک جگہ وہ یہ بات بھی نقل کرتا ہے کہ علی علیہ السلام نے عمرؓ کو وصیت کی تھی۔ (صفحہ ۲۷۸)

(د) وہ علی علیہ السلام کو دوسرے صحابہ پر ترجیح و تفضیل دیتا ہے اور اپنے باطن میں ان کو تمام صحابہ سے زیادہ دوست رکھتا ہے لیکن اس کے اظہار کو واجب نہیں جانتا۔ (صفحہ ۴۸) (مقتبس از مقدمہ صفحہ ۴۲، ۴۵)

پروفیسر ہائی کی یہ تصریحات میرے دعوے کے اثبات کے لئے بالکل کافی ہیں کہ کاشانی باطن شیعہ ہے۔ تاہم اس نے صفحہ ۴۸ پر جو غلط بیانی کی ہے اسے نقل کرنے کے بعد اس کی تردید کرنی مناسب ہے تاکہ جو سنی اس کی کتاب میں یہ عبارت پڑھیں وہ گمراہی سے محفوظ رہ سکیں۔

مصنف نے ازراہ تقیہ صفحہ ۴۶ پر یہ لکھا ہے کہ ”مؤمن حقیقی اس بات کو روا نہیں

رکھ سکتا کہ اصحاب رسول پر قدح کرے، کیونکہ انہوں نے رسول کی محبت پر مہاجرت کی، اقارب سے جدائی اختیار کی اور اپنے اموال رسول ﷺ کے مبارک قدموں پر نثار کئے۔ (صفحہ ۴۶)

اگرچہ کاشانی نے اس عبارت میں حضرات ابوبکر صدیقؓ، 'و عمر فاروق اعظمؓ اور عثمان غنیؓ' کا نام لے کر تذکرہ نہیں کیا ہے تاہم اس عبارت سے یہ ضرور ثابت ہو گیا ہے کہ اس کا لکھنے والا شاتم صحابہ رسول نہیں ہے مگر اس فصل نہم کا آخری جملہ ایسا ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس کا لکھنے والا اہل سنت والجماعت میں سے نہیں ہے۔

پس عقیدہ صحیحہ سلیمہ یہ ہے کہ:

(۱) سب صحابہؓ کو دوست رکھے اور ان میں ایک کو دوسرے پر ترجیح و تفضیل سے

© rasailojaraid.c

(ب) اگر اس کے باطن میں فضیلت کی بناء پر کسی صحابی کی محبت رائج ہو جائے تو اس کو پوشیدہ رکھے، کیونکہ اس پر اس کا اظہار واجب نہیں ہے۔

(ج) اس مشاجرت کے باب میں جو امیر المؤمنین علی علیہ السلام اور معاویہ کے درمیان واقع ہوئی، ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ علی علیہ السلام اجتہاد خلافت میں محق اور مصیب تھے اور امر خلافت کی مباشرت کے لئے مستحق اور متعین تھے جبکہ معاویہ غلطی اور مظل اور مذنب اور غیر مستحق تھے ﴿مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُضِلِّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًا مُّزِيدًا﴾ (صفحہ ۴۸)

اس عبارت میں کاشانی اپنی اصلی شکل میں نمودار ہو گیا ہے۔ اس گروہ کا شروع ہی سے یہ طریقہ رہا ہے کہ جس صورت سے اور جس طرح ہو سکے اہل سنت کو گمراہ کیا جائے۔

واضح ہو کہ یہ عقائد اہل سنت کے ہر گز نہیں ہیں۔ کاشانی نے ایک صوفی کے لباس میں اہل سنت کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ذیل میں اہل سنت کا عقیدہ صحیحہ سلیمہ درج کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو رہا ہوں۔

(۱) پہلی صدی ہجری سے تا ایں دم تمام اہل سنت کا اجماعی اور متفقہ عقیدہ یہ رہا

ہے کہ حضرت ابوبکرؓ تمام صحابہ میں افضل و اکمل و اتمقی ہیں؛ بلکہ انبیاء کے بعد تمام روئے زمین کے انسانوں سے افضل ہیں۔ ملاحظہ ہو:

(۱) امام فخر الدین رازیؒ کتاب الاربعین میں صفحہ ۲۶۴ پر لکھتے ہیں کہ ((مسدھب اصحابنا ان افضل الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو ابوبکر (رضی اللہ عنہ)) یعنی اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ابوبکرؓ سب انسانوں میں افضل ہیں۔

(ب) امام نجم الدین النفی عقائد نفی میں لکھتے ہیں ”ہمارے نبی ﷺ کے بعد تمام انسانوں میں ابوبکرؓ افضل ہیں اور ان کے بعد عمر فاروقؓ (انگریزی ترجمہ شرح عقائد صفحہ ۱۳۱)

(ج) امام کمال الدین بن الہمام کتاب المسائرہ میں صفحہ ۳۱۲ پر لکھتے ہیں ”صحابہ اربعہ یعنی ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ حسب ترتیب فی الخلافت یہ ہے کہ پہلے ابوبکرؓ، پھر عمرؓ۔“ نیز صفحہ ۳۱۲ پر لکھتے ہیں کہ صحیح البخاری میں محمد بن الحنفیہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے باپ علیؓ سے پوچھا: ای الناس خیر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ فقال ابوبکرؓ یعنی ”رسول اللہ ﷺ کے بعد انسانوں میں کون افضل ہے؟“ انہوں نے جواب دیا ابوبکرؓ۔“

(د) مولانا محمد ادریس کاندھلوی عقائد الاسلام میں صفحہ ۱۵۰ پر لکھتے ہیں: ”تمام اہل حق کا اس پر اجماع ہے کہ پیغمبروں کے بعد تمام انسانوں میں افضل اور بہتر اور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد امام برحق اور خلیفہ مطلق ابوبکر صدیقؓ ہیں۔“ پھر صفحہ ۱۶۰ پر لکھتے ہیں: ”امام ذہبی نے بسند صحیح بیان کیا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ بعض لوگ مجھے ابوبکرؓ اور عمرؓ پر فضیلت دیتے ہیں۔ میں جسے فضیلت دینے والا پاؤں گا تو وہ مفتری ہے اور اسے وہی سزا دوں گا جو مفتری کی ہے۔“

بخوف طوالت صرف ان چار شہادتوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ جو لوگ اس مسئلے کی تفصیل کے آرزو مند ہوں وہ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ اور قرۃ العینین فی فضیلتہ

الشیخینؒ مولفہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مطالعہ کر لیں۔ انہیں معلوم ہو جائے گا کہ پہلی صدی سے اس وقت تک تمام اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ افضل البشر بعد الانبیاء ہیں۔ آخر میں ایک غیر مسلم سرولیم میوؒ کی شہادت درج کرتا ہوں تاکہ قارئین کو یہ معلوم ہو جائے کہ دراصل فضیلت وہ ہے جس پر اعداء بھی گواہی دینے پر مجبور ہوں۔ ولیم میوؒ اپنی تالیف ”الخلافتہ“ میں لکھتا ہے:

(۱) پیغمبر اسلام (ﷺ) کی سچائی پر ایمان ابو بکرؓ کی طبیعت ثانیہ بن گیا تھا اور اب جبکہ ان کے مرشدؐ کی وفات ہو چکی تھی مرید نے اپنی زندگی ان کی آرزو کی تکمیل کے لئے وقف کر دی۔ یہی جذبہٴ فدویت تھا جس نے ابو بکرؓ کی نرم اور مصالحت نواز افتاد طبع میں اس قدر ہمت پیدا کر دی اور انہیں محمد (ﷺ) کے تمام متبعین (صحابہ) میں سب سے زیادہ سچا سب سے زیادہ ثابت قدم اور سب سے زیادہ ثابت العزم بنادیا۔ (صفحہ ۷)

ابو بکرؓ کے دل میں ذاتی اعزاز کے حصول کی مطلق آرزو نہ تھی۔ اگرچہ انہیں اقتدارِ اعلیٰ حاصل تھا لیکن انہوں نے اس اقتدار کو اسلام اور مسلمانوں کی بہبود کے لئے استعمال کیا۔ لیکن ان کی طاقت اور سطوت کا سب سے بڑا راز صداقت رسولؐ پر ایمان محکم میں مضمر تھا۔ چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ مجھے خلیفہ اللہ مت کہو! میں تو محض خلیفہ رسولؐ ہوں۔ زندگی بھر ان کے سامنے صرف ایک ہی سوال رہا، یعنی اس معاملے میں نبیؐ نے کیا حکم دیا تھا یا وہ خود اس معاملے میں کیا کرتے؟

ساری عمر انہوں نے اس اصول سے بال برابر انحراف نہیں کیا۔ اسی جذبہٴ فنائیت کی بدولت انہوں نے فتنہ ارتداد کا ایسی کامیابی سے قلع قمع کر دیا۔ اگرچہ ان کا عہد حکومت مختصر تھا مگر محمد (ﷺ) کے بعد تمام صحابہ میں ابو بکرؓ سے بڑھ کر کوئی شخص اسلام کا محسن نہیں ہے۔

چونکہ پیغمبر اسلامؐ پر ان کا ایمانِ راسخ بذاتِ خود محمد (ﷺ) کی سچائی کی زبردست دلیل ہے اس لئے میں نے ان کی زندگی اور سیرت کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے۔ اگر محمد (ﷺ) اپنے دعوے میں سچے نہ ہوتے تو وہ کبھی ہرگز ابو بکرؓ جیسے دانشور اور صاحبِ عقل و خرد انسان کی رفاقت حاصل نہیں کر سکتے

تھے۔“ (صفحہ ۸۱)

میں نے بھی میو کی کتاب سے یہ دو اقتباسات اس لئے تفصیل کے ساتھ نقل کر دیئے ہیں کہ قارئین یہ اندازہ کر سکیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زندگی اور سیرت دونوں اس قدر شاندار ارفع، پاکیزہ اور بے عیب ہیں کہ ایک غیر مسلم بھی جو نہ اسلام کا دوست ہے، نہ مسلمانوں کا خیر خواہ ہے، ان کی تعریف و تحسین پر مجبور ہے، بلکہ انہیں تمام صحابہ میں سب سے زیادہ مخلص، سب سے زیادہ راست باز، سب سے زیادہ ثابت قدم قرار دیتا ہے۔ انہیں بعد رسول اسلام کا سب سے بڑا محسن سمجھتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ انہیں تمام صحابہ میں سرکارِ دو عالم ﷺ کا سب سے بڑا فدائی، سب سے بڑا عاشق اور سب سے بڑا متبع یقین کرتا ہے۔ بالفاظ دیگر اہل سنت کی طرح انہیں تمام صحابہ میں افضل اور اکمل جانتا ہے اور ان سب باتوں سے بلند تر بات یہ ہے کہ ابوبکرؓ کے ایمان اور خلوص کو خود ان کے آقا اور مولیٰ ﷺ کی صداقت کی دلیل گردانتا ہے۔

شاید ہی کسی غیر مسلم نے میو سے بڑھ کر صدیق اکبرؓ کے مقام رفیع کو پہچانا ہو۔ میں نے بدلائل عقلیہ و شواہد نقلیہ یہ بات واضح کر دی کہ کاشانی نے جو یہ بات لکھی ہے کہ صحابہ میں کسی کو کسی پر ترجیح نہ دے، سراسر گمراہی اور بطالت ہے اور اہل سنت کے اجماعی عقیدے کے خلاف ہے۔ اسی ایک بات سے ثابت ہو گیا کہ کاشانی اہل سنت والجماعت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ علام الغیوب تو صرف خدا ہے، ہم تو ظواہر ہی پر حکم لگا سکتے ہیں کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(۲) پھر کہتا ہے کہ ”اگر کسی صحابی کی محبت رائج ہو جائے تو اسے پوشیدہ رکھے۔“ یہ بات کہہ کر اس نے اپنے آپ کو بالکل ظاہر کر دیا۔ اپنے عقائد کو چھپانا اور پوشیدہ رکھنا یہ ہرگز اہل سنت کا مسلک نہیں ہے بلکہ سبائیہ اور باطنیہ کا مذہب ہے۔

(۳) اس نے حضرت معاویہؓ کی شان میں جو الفاظ استعمال کئے ہیں وہ اہل سنت استعمال نہیں کر سکتے، بلکہ وہی لوگ لکھ سکتے ہیں جن کے قلوب میں زلیخ اور کذب راسخ ہو چکا ہے۔ علاوہ بریں اس نے ہر جگہ حضرات علیؓ، حسنؓ و حسینؓ کے لئے علیہ السلام کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سنی نہیں تھا، کیونکہ

تمام اہل سنت کا یہ طریق ہے کہ وہ انبیاء کے لئے علیہ السلام اور صحابہ کے لئے رضی اللہ عنہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ کاشانی نے اپنی صحابہ دشمنی کا یہاں تک ثبوت دیا ہے کہ اس نے جنید اور بایزید کے نام کے آگے رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے مگر حضرت معاویہؓ کے نام کے آگے کچھ نہیں لکھا۔ اب ناظرین خود فیصلہ کر لیں کہ وہ کس طائفے سے تعلق رکھتا ہے۔

(۴) اس نے صفحہ ۲۷۸ پر لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو زہد و ورع اختیار کرنے کی تلقین کی تھی۔ یہ روایت نقل اور عقلاً دونوں طرح غلط اور وضعی ہے۔ نقل اس لئے کہ کاشانی نے اس روایت کی سند بیان نہیں کی اور عقلاً اس لئے کہ حضرت عمرؓ اس قدر زہاد اور متورع تھے کہ وہ خود حضرت علیؓ کے لئے اسوۂ حسنہ تھے۔ اس لئے یہیں قلم روکتا ہوں ورنہ اس پر ایک مقالہ لکھا جاسکتا ہے۔

الحمد للہ میں نے بشواہد و دلائل ثابت کر دیا کہ کاشانی نے صوفی بن کر جاہل اور عالم دونوں قسم کے سنیوں کو گمراہ کرنے کا پورا پورا سامان اپنی کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ بقول پروفیسر ہامائی مقدمہ نگار وہ شیعہ تفضیلیہ تھا اور میری رائے میں وہ شیعہ تھا۔ اس نے تقیہ اختیار کر کے صوفیوں کا لباس پہنا اور اس کتاب کے پردے میں اہل سنت کے دماغوں میں خلاف اسلام عقائد جاگزیں کر دیئے۔ اور چونکہ صوفیوں میں اسلاف کی کتابوں یا ان کے مقولوں پر تنقید خلاف ادب یقین کی جاتی ہے اس لئے اس قسم کے غلط عقائد اور بے سند قصے ہمارے یہاں صدیوں سے مقبول اور مسلم چلے آ رہے ہیں۔

کاشانی نے اس کتاب میں ایک روایت ایسی درج کی ہے جس کی چاشنی سے قارئین کو محروم رکھنا مناسب معلوم نہیں ہوتا لیکن میں اس پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا اس لئے کہ نزاکت روایت تاب تبصرہ ندارد۔ ہاں مجبوراً ترجمہ کئے دیتا ہوں۔

”چنانکہ رسیدہ است کہ وقتی حسین بن علیؓ نے اپنے باپ سے پوچھا۔ ”کیا آپ مجھ سے محبت رکھتے ہیں؟“ انہوں نے کہا ”ہاں“ پھر حسین نے پوچھا ”کیا آپ اللہ سے محبت رکھتے ہیں؟“ انہوں نے کہا ”ہاں“۔ یہ سن کر حسین نے کہا

”ہیہات قلب واحد میں دو محبتیں تو جمع نہیں ہو سکتیں۔“ یہ سن کر حضرت علیؑ نے رونے لگے۔ اس وقت حسینؑ نے کہا ”اے باپ! اگر آپ کو میرے قتل اور اپنے ایمان کے ترک میں اختیار دیا جائے تو آپ کس کو اختیار کریں گے؟“ حضرت علیؑ نے کہا ”میں ترک ایمان پر قتل کو اختیار کروں گا۔“ یہ سن کر حسینؑ نے کہا ”خوش ہو جائیے اے باپ! کیوں کہ وہ محبت ہے اور یہ شفقت ہے۔“

پروفیسر ہمائی نے اس روایت کی تضعیف یا تردید تو نہیں کی مگر حاشیے میں اتنا ضرور لکھ دیا ہے کہ ”ماخذ اس روایت معلوم نیست“ (ص ۴۰۷)

اب پروفیسر ہمائی کو کون بتائے کہ اللہ کے بندے! اس کتاب میں بہت سی روایات ایسی مندرج ہیں جن کا ماخذ نہ معلوم ہے اور نہ کبھی معلوم ہو سکتا ہے۔ پروفیسر صاحب کسی ”صاحب اسرار“ کی صحبت اختیار کریں تو یہ باطنی علوم شاید ان پر منکشف ہو جائیں۔

کاشانی کی کتاب کے بعد اب ہم ناظرین کو حضرت مولانا محمد عثمان انصاری نقشبندی جالندھریؒ کی تصنیف ”محبت باری“ تعالیٰ کی سیر کراتے ہیں۔ مصنف کتاب نے جیسا کہ اس کے مترجم مولوی محمد سلیمان صاحب گیلانی نے ”عرض مترجم“ میں لکھا ہے، سب سے پہلے حضرت شیخ جلال الدین تھانیسریؒ سے قادری سلسلے میں بیعت کی تھی پھر خواجہ محمد اسحاقؒ سے نقشبندی طریق کی اجازت حاصل کی۔ آخری دور حضرات خواجہ باقی باللہ متوفی ۱۰۱۲ء کی خدمت میں گزارا۔ یعنی خواجہ محمد عثمانؒ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پیر بھائی تھے اور غالباً گیارہویں صدی ہجری کے نصف اول میں فوت ہوئے۔ اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ (ص ۱۵)

فاضل مترجم طریقت اور شریعت دونوں کے جامع ہیں۔ انہوں نے اس کتاب میں جس قدر ضعیف احادیث اور غلط روایات درج ہیں، سب کی نشان دہی کی ہے۔ اسلامی تصوف میں غیر اسلامی عقائد کی جو آمیزش ہو گئی ہے اس پر ان کا تبصرہ ذیل میں درج کرتا ہوں، کیونکہ اس سے میرے دعوے کی تائید و تصدیق ہوتی ہے:

”قصہ مختصر آج کل تصوف میں ”مکر“ کی آمیزش ہو چکی ہے۔ طالب کو لازم

ہے کہ صوفیہ کی اچھی باتوں کو حاصل کرے، غلط باتوں کو چھوڑ دے۔ اصل دین (اہل تصوف کی کتابیں نہیں بلکہ) کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے۔ صوفیہ کے جو اقوال کتاب و سنت کے مطابق ہوں ان کو قبول کر لیا جائے اور جو ان کے خلاف ہوں انہیں چھوڑ دیا جائے۔“

”محدثین میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو جمع حدیث میں بھی امام ہیں اور راویوں پر تنقید میں بھی امام ہیں۔ دوسرے وہ جو جمع حدیث میں تو امام ہیں مگر تنقید میں دسترس نہیں رکھتے۔ تیسرے وہ جو جمع حدیث میں امام نہیں مگر نقد روایت میں امام (ماہر) ہیں۔ لیکن صوفیاء میں سے کوئی بھی ان فنون یعنی فن جرح و تعدیل یا فن نقد و تبصرہ یا فن اسماء الرجال کا مرد میدان نہیں (۲۷) ہے۔ انتہائی عقیدت کے باوجود جب ہم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کتاب غنیۃ العارفین دیکھتے ہیں تو اس میں بھی کافی ضعیف روایات دیکھنے میں آتی ہیں اور بعض موضوع (۲۸) روایات بھی اس میں آگئی ہیں۔ اسی طرح مکتوبات میں بھی کئی ایسی ضعیف روایات آگئی ہیں جن سے محدثین کے کان تک نا آشنائیں۔

کچھ اسی طرح کی کیفیت زیر نظر کتاب ”محبت الہی“ کی بھی ہے۔ جہاں تک روایات و احادیث کا تعلق ہے اس میں بہت کم صحیح احادیث پائی گئی ہیں۔ بعض احادیث مندرجہ کتاب ضعیف ہیں اور ایک اچھی خاصی تعداد موضوع روایات کی بھی موجود ہے۔“

محبت الہی میں جس قدر ضعیف اور موضوع روایات درج ہیں ان میں سے بعض پر فاضل مترجم نے ”ضمیمہ متعلقہ کتاب محبت باری تعالیٰ“ کے ذیل میں مفصل تنقید کی (۲۷) مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ فاضل مترجم کثر اللہ مشلہ نے اخلاقی جرأت سے کام لے کر یہ سچی بات بلا خوف لومۃ لائم و اشکاف الفاظ میں درج کتاب کر دی۔ میں بھی بائیس سال تک (۱۹۳۵ء تا ۱۹۶۷ء) کتب تصوف کا مطالعہ کرنے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔ کشف المحجوب اور اس کے مصنف دونوں کی عظمت مسلمہ ہے مگر اس میں بھی ضعیف روایات موجود ہیں اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ صوفیاء ارباب حال تو تھے مگر محدث اور نقاد رواۃ نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن جوزی نے اکثر صوفیاء پر تنقید کی ہے۔

(۲۸) میں جسے جھوٹی روایت کہتا ہوں محدثین اپنی اصطلاح میں اسے موضوع کہتے ہیں اور اس کا درجہ ضعیف روایات ہے۔ یہی بہت بڑی غلطی قطعاً ناقابل قبول۔

ہے۔ یعنی پڑھنے والوں کو گمراہی سے بچانے کا پورا انتظام کر دیا ہے (جزاۃ اللہ احسن الجزاء) میں یہ پورا ضمیمہ تو نقل نہیں کر سکتا، صرف ایک جھوٹی روایت پر ان کی تنقید جذباتِ ممنونیت کے ساتھ درج کئے دیتا ہوں۔ فاضل مترجم اور ناقد صفحہ ۴۹۲ پر لکھتے ہیں۔

”کتاب ہذا کے صفحہ ۳۰۶ پر ایک منظوم حکایت بیان کی گئی ہے جس میں آنحضرت ﷺ کی اپنی امت پر شفقت کا اظہار کیا گیا ہے۔ لیکن جس طرح آپ کی شفقت کا اظہار کیا گیا ہے یا جس طرح کا انداز اختیار کیا ہے وہ قطعاً صحیح نہیں ہے۔ اس میں کئی ایک چیزیں خلاف شریعت آگئی ہیں۔ اس منظوم حکایت کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ تمام رات نماز پڑھا کرتے تھے اور امت کی سفارش میں مشغول رہا کرتے تھے۔ اتفاق سے ایک رات آپ کو نیند آگئی۔ حدیسی طرف سے وحی آئی کہ آپ کو سونا نہیں چاہئے تھا۔ اس جرم کی سزا آپ کو یہ دی جائے گی کہ آپ کی تمام امت کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ یہ سن کر آپ شہر سے باہر تشریف لے گئے اور جب تین دن گزر گئے تو صحابہ کو تشویش ہوئی جا کر حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کہاں تشریف لے گئے ہیں؟ آپ نے وحی آنے کا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ اس کے بعد آپ گھر تشریف نہیں لائے۔ صحابہ تلاش کے لئے مدینہ سے باہر نکلے۔ ایک چرواہا ملا۔ اس سے پوچھا کہ کہیں ہمارے رسول کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا آج تین دن گزر چکے ہیں میری بکریاں گھاس نہیں چرتیں۔ اس پہاڑ کی طرف منہ کر کے کھڑی رہتی ہیں جہاں سے نہایت دردناک آوازیں آتی رہتی ہیں۔ یہ سنتے ہی صحابہ اس پہاڑ کی طرف دوڑے۔ دیکھا کہ آنحضرت صلعم سجدے میں پڑے ہوئے تھے آنسوؤں سے زمین پر کچھ ہو گئی تھی اور آپ کا چہرہ اس میں لت پت تھا اور آپ رورو کر امت کی بخشش کی دعائیں کر رہے تھے۔ چاروں خلفاء نے علی الترتیب عرض کی کہ آپ سجدے سے سر اٹھائیے ہم نے اپنی تمام زندگی کے نیک اعمال آپ کی امت کی رہائی کے لئے بخش دیئے۔ حضرت عثمانؓ نے یہ بھی کہا کہ میں نے جو قرآن جمع کیا ہے اس کا ثواب بھی آپ کی امت کو بخشا ہوں۔ مگر آپ نے چاروں خلفاء کو ایک ہی جواب دیا کہ اس سے

میرا کام نہیں چل سکتا۔ جب خدا کی طرف سے حکم آچکا ہے کہ میں تیری امت کے تمام افراد کو دوزخ میں ڈال دوں گا تو تمہاری باتوں پر کس طرح اعتبار کر سکتا ہوں۔ جب صحابہؓ مایوس ہو گئے تو ایک آدمی کو حضرت فاطمہؓ کی خدمت میں روانہ کیا۔ وہ دوڑتی ہوئی آئیں اور انہوں نے آنحضرتؐ سے عرض کی کہ آپ گھر تشریف لے چلیں، میں اپنی زندگی کے تمام اعمال آپ کی امت پر نثار کرتی ہوں۔ آپ نے حضرت فاطمہؓ کو بھی وہی جواب دیا۔ جب وہ آپ سے مایوس ہو گئیں تو انہوں نے اپنا سر برہنہ کیا اور سجدے میں گر گئیں اور رورود کر خدا سے دعائیں کرنے لگیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جبریل تشریف لائے اور خدا کی طرف سے آنحضرتؐ کو امت کی بخشش کی خوشخبری سنائی اور کہا کہ خدائے فاطمہؓ کے آنسوؤں کی لاج رکھ لی اور آپ کی امت کو بخش دیا گیا۔ حضرت فاطمہؓ نے حضورؐ کو امت کی بخشش کی تائید کی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر فاطمہؓ تمام دنیا کے لوگوں کے لئے سفارش کرتیں تو میں تمام دنیا کو بخش دیتا۔ اس کے بعد حضورؐ مع تمام صحابہؓ خوش خوش گھر تشریف لے آئے۔“

اس منظوم حکایت کا خلاصہ بیان کرنے کے بعد فاضل مترجم نے یہ تبصرہ کیا ہے:

”اس حکایت میں خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں (۱) آپ نے تمام رات کبھی بھی جاگ کر نہیں گزاری، بلکہ آپ قریباً آدھی رات سویا کرتے تھے اور آدھی رات قیام فرمایا کرتے تھے، کیونکہ سورہ منزل میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپ رات کے کچھ حصے میں سویا کریں اور آدھی رات کے بعد اٹھ کر قرآن پڑھا کریں۔ غور کیجئے کیا آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی خلاف ورزی دیدہ و دانستہ کر سکتے تھے؟

(ب) اس کے بعد یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سوئیں تو آنحضرت ﷺ اور ان کے جرم کی سزا ملے امت کو! اللہ نے تو یہ فرمایا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(ج) حضرت عثمانؓ کا اپنے جمع قرآن کے عمل کو پیش کرنا بھی خلاف واقعہ ہے، کیونکہ انہوں نے حضور کی زندگی میں قرآن جمع ہی کب کیا تھا؟

(د) حضرت فاطمہؓ کا اپنے سر کو برہنہ کر کے سجدے میں گر پڑنا کہاں جائز ہے؟

حدیث میں آیا ہے کہ جب تک کسی عورت کا سرنگار ہوتا ہے فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔ کیا حضرت فاطمہؑ ایسا فعل کر سکتی تھیں جس پر خدا کے فرشتے لعنت کریں؟ اس کے علاوہ آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بالغ عورت کی نماز دوپٹے کے بغیر قبول نہیں ہو سکتی تو ان کا سجدہ کیسے قبول کر لیا گیا؟

(ہ) سبحان اللہ! کیا مقام ہے حضرت فاطمہؑ کا! رسول اللہ ﷺ تو تین دن سے رو رہے تھے آپ کے آنسوؤں کی تو خدا نے لاج نہ رکھی، لیکن فاطمہؑ کے آنسوؤں کی لاج رکھ لی گئی اور وہ بھی اس حیثیت سے کہ ان سے بھول ہو گئی جو صرف امت مسلمہ کی سفارش کی، اگر وہ پوری دنیا کی سفارش کر دیتیں تو خدا تعالیٰ تمام دنیا کے کافروں اور مشرکوں کو بھی بخش دیتا۔ جل جلالہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام زندگی اپنے مشرک باپ کی سفارش کرتے رہے مگر وہ نہ بخشا گیا۔ حضرت نوحؑ نے اپنے مشرک بیٹے کی سفارش کی مگر قبول نہ ہوئی۔ خود آنحضرت ﷺ نے عبد اللہ بن ابی منافق کا جنازہ پڑھا (یعنی دعائے مغفرت کی) مگر وہ نہ بخشا گیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اے رسول! اگر آپ اس کے لئے ستر مرتبہ استغفار کریں گے تو بھی میں اسے نہیں بخشوں گا۔

(د) اس حکایت کی ابتداء میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس ”حدیث“ کو تمام محدثین نے قبول کیا ہے، حالانکہ حدیث کی کسی معتبر کتاب میں اس حکایت کا نام و نشان بھی نہیں ملتا۔

(ز) تاریخی لحاظ سے حضور ﷺ کا اس طرح ایک دن بھی مدینے سے غائب رہنا ثابت نہیں ہے۔

مندرجہ بالا تصریحات کی روشنی میں یہ سارا واقعہ بناوٹی معلوم ہوتا ہے جسے کسی رافضی نے حضرت فاطمہؑ کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے بنایا ہے۔

(مقتبس از ضمیمہ ”محبت باری تعالیٰ“ ص ۴۹۲ تا ۴۹۹)

فاضل مترجم کی اس تنقید کے بعد مجھے اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں

ہے۔ انہوں نے حقیقت پورے طور سے آشکار کر دی ہے۔ جزاہ اللہ خیراً۔

اب ہم قلندروں کی محفل میں شرکت کرتے ہیں تاکہ اس جماعت کے علم

قلندری سے استفادہ کر سکیں۔ اس کتاب کا نام ہے ”تعلیمات قلندریہ“ مؤلفہ شاہ محمد تقی حیدر قلندر سجادہ نشین آستانہ کاظمیہ۔ یہ کتاب ان مکتوبات پر مشتمل ہے جو اس سلسلے کے افراد نے اپنے مریدوں اور رشتہ داروں کو لکھے تھے۔

یہ مکتوبات غیر مستند اور غیر معتبر روایات سے معمور ہیں۔ شیخ فرید الدین عطار نے اپنے تذکرۃ الاولیاء میں جس قدر حکایتیں اور داستانیں سپرد قلم کی ہیں ان میں سے کسی کی سند نہیں لکھی۔ لوگوں نے ان غیر مستند داستانوں کو محض شیخ عطار کی شخصیت اور ان کی بزرگی کے پیش نظر قبول کر لیا یا ازراہ ادب سکوت اختیار کیا۔ اس طرح یہ مضرت رساں رسم حلقہ صوفیاء میں جاری ہو گئی۔ نہ کسی تذکرہ نویس نے اسناد کا التزام کیا اور نہ مرتب ملفوظات نے تحقیق کی زحمت گوارا کی۔ فقہی تقلید نے پہلے ہی سے ذوق تحقیق و تنقید کو مٹا دیا تھا۔ اس لیے اس سلسلہ کی تقلید نے پوری کردی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پوری قوم ذوق تحقیق سے بیگانہ ہو گئی۔ ممکن ہے ناظرین وقار مین میری اس حق پڑ دہی اور راست بیانی سے چین بجیں ہوں اس لئے میں ان کے محبوب اور معتمد علیہ شاعر کو اپنی صفائی میں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

شیر مردوں سے ہوا پیشہ تحقیق تہی
 رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی
 ”یعنی اے خدا! میری قوم میں صدیوں سے کوئی محقق پیدا نہیں ہوا۔ صرف صوفیاء اور فقہاء کے غلام (مقلد) رہ گئے ہیں۔“
 صرف ایک شعر اور سن لیجئے۔

حلقہ شوق میں وہ جرأت رندانہ کہاں
 آہ! محکومی و تقلید و زوال تحقیق!

صوفیوں کے مکتوبات ہوں یا ملفوظات اور صوفیاء کے تذکرے ہوں یا سوانح حیات کسی میں اسناد کا التزام نظر نہیں آتا۔ بس ”نقل ہے کہ“ یہ تین لفظ بالکل کافی ہیں۔ ان تین طلسمی الفاظ کے بعد آپ جو چاہیں لکھ دیں۔ قرآن حدیث تاریخ، سیرت اور عقلمندوں کی حیاتیں تردید کر دیں، کوئی شخص آپ پر معترض نہیں ہوگا، بلکہ

یہ بھی دریافت نہیں کرے گا کہ اس روایت کی سند کیا ہے؟ اس لئے پہلے اپنے دعوے پر بہت سے شواہد و دلائل پیش کر چکا ہوں۔ ایک شاہد اسی تعلیمات قلندر یہ سے پیش کر کے قارئین کی ضیافت یا تفریح طبع کا سامان مہیا کرتا ہوں۔ پہلے محمد کاظم قلندر کا کوروی کی علمی دستگاہ کا حال بیان کرتا ہوں۔ پھر ان کے مکتوب سے صرف ایک فقرہ نقل کروں گا۔

واضح ہو کہ ”عارف باللہ“ شاہ محمد کاظم قلندر ۱۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے علوم و درسیہ اپنے زمانے کے بہترین علماء اور اساتذہ مثلاً ملا غلام یحییٰ بہاری اور ملا حمد اللہ سندیلی سے حاصل کئے تھے۔ انہوں نے ۱۲۲۱ھ میں وفات پائی۔

چونکہ اس مضمون کے نوے فی صد پڑھنے والے ان عالموں کے علمی مقام سے ناواقف ہیں اس لئے میں چند سطور ان کے بارے میں لکھنی بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ واضح ہو کہ ملا غلام یحییٰ بہاری اپنے زمانے کے بہت نام آور منطقی تھے۔ انہوں نے میر زاہد پر جو حاشیہ لکھا تھا وہ بقول سید سلیمان ندوی مرحوم ”درس نظامیہ کی معراج ہے اور اسی لئے عرصہ دراز سے نصاب سے خارج ہو چکا ہے کہ اب اس کے پڑھانے والے ”مفقود الخیر“ ہو چکے ہیں۔

نوٹ کی بات یہ ہے کہ جب منطق اور کلام میں خدا نمل سکا تو ملا بہاری مرحوم نے جنید وقت اور بایزید عصر حضرت اقدس میرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ کے آستانے کی خاک کو طوطیائے چشم بنایا تب کہیں جا کر محبوب حقیقی کا جلوہ نظر آیا۔ بالکل سچ کہا ہے اقبالؒ نے:

مرا از منطق آید بوئے خامی دلیل او دلیل ناتمامی

در دلہائے بستہ را کشاید دو بیت از پیر روی یا ز جامی
اب رہے ملا حمد اللہؒ تو یہ بھی اپنے زمانے کے مشہور منطقی تھے۔ سندیلہ ضلع ہردوئی کے رہنے والے تھے۔ حسن اتفاق دیکھئے کہ انہوں نے اور ان کے ہم عصر قاضی مبارک گوپا موئی دونوں نے سلم العلوم کی شرح لکھی۔ اس کے دو حصے ہیں۔ تصورات اور تصدیقات۔ اول الذکر کی شرح تصورات موسومہ قاضی مبارک اور آخر الذکر کی شرح

تصدیقات موسومہ حمد اللہ آج بھی درس نظامیہ میں پڑھائی جاتی ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اب ان کے پڑھانے والے بھی خال خال ہی رہ گئے ہیں۔ اور اگر پاکستان میں انگریزی کے اقتدار کا یہی عالم رہا (اور وال کی کوئی صورت نظر نہیں آتی) تو وہ دن دور نہیں ہے جب غلام بچی کی طرح قاضی اور حمد اللہ بھی نصاب سے خارج ہو جائیں گے۔ باز آدم برسر مطلب، محمد کاظم کی علمی استعداد کا ناظرین کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا۔ یہ صاحب اپنے برادر حقیقی میر محمد قلندر کو ایک خط میں لکھتے ہیں ”اگر اتفاق شود ناد علی ہزار بار وقت پاس آخر شب مداومت کنند لیکن بایں طور کہ برزخ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بصورت آفتاب بدست راست و ایں فقیر ابدست چپ تا خواندن در تصور دارند بسیار فواید خواہند شد“ ص ۱۴۷

”عارف باللہ“ اپنے بھائی کو ”ناد علی“ کا وظیفہ پڑھنے کی تلقین کر رہا ہے۔ یہ ”ناد علی“ کیا ہے؟ یہ داستان قابل ازیں لکھ چکا ہوں اور واضح کر چکا ہوں کہ ہم تبوک میں قطعاً کوئی جنگ واقع نہیں ہوئی تھی لہذا جبریلؑ کا آنحضرت ﷺ کو یہ مفروضہ دعا تلقین کرنا کہ ناد علیاً مظہر العجائب..... الخ سراسر بے بنیاد بے اصل اور دروغ ہے۔ جنگ کا افسانہ اور آنحضرت ﷺ کا یہ دعا پڑھنا بالکل جھوٹ اور بہتان ہے۔ لیکن اس عارف باللہ کو مظفر علی شاہ کی طرح اتنا بھی معلوم نہیں کہ تبوک میں کوئی قتال نہیں ہوا تھا۔ وہ عارف ہونے کے باوجود اس جعلی دعا کو اصلی سمجھ رہا ہے اور اپنے بھائی کو اس کے پڑھنے کی تلقین کر رہا ہے۔ چونکہ ”عارف باللہ“ ہے اس لئے کس میں ہمت ہے کہ اس کی تردید یا تکذیب کر سکے! اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان عارفوں نے اپنی جہالت کی بدولت کتنے مسلمانوں کو گمراہ کیا ہوگا۔

ان مکتوبات میں بہت سی روایات خلاف شرع اور خلاف عقل درج ہیں۔ دل پر جبر کر کے صرف ایک روایت ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ شاہ تراب علی قلندر، سفیر شاہ اودھ، امیر عاشق علی خاں بہادر کو لکھتے ہیں کہ

”نقل ہے کہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کا ایک ہمسایہ تھا جو ان کا پیر بھائی تھا“ یعنی خواجہ عثمان یار دینی کا مرید تھا۔ جب وہ مرا تو خواجہ صاحب جنازے کے

ساتھ گئے اور دفن کے بعد اس کی قبر پر مراقب ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کا رنگ زرد ہو گیا مگر فوراً بحال ہو گیا۔ کسی نے ان سے اس کا سبب پوچھا تو کہنے لگے کہ دفن کے فوراً بعد عذاب کے فرشتے ان کی قبر میں آن پہنچے مگر اسی وقت میرے پیر بھی آ گئے اور فرشتوں کے منہ پر تھپڑ مار کر بولے کہ ”خبردار! اسے عذاب نہ دینا، کیونکہ یہ میرا مرید ہے۔“ فرشتوں کو (منجانب اللہ) حکم ہوا کہ خواجہ سے کہو کہ یہ شخص آپ (کی تعلیم) کے خلاف زندگی بسر کرتا رہا تھا۔ خواجہ نے یہ سن کر کہا ”تم سچ کہتے ہو، لیکن اس نے (زندگی میں) میرا دامن پکڑا تھا (خود را بہ پلہ من بستہ است) خواجہ کا یہ جواب سن کر فرشتوں کو حکم ہوا کہ خواجہ کے مرید سے دستبردار ہو جاؤ، اسے خواجہ کے حوالے کر دو، کیونکہ میں نے اسے خواجہ کو بخش دیا۔“

یہ طلسم ہو شر با لکھنے کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ پس بلاشبہ ”پیراں شافع مریدان

© rasailojaraid

میں اس دروغ بے فروغ پر پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا، صرف اتنا لکھوں گا کہ پیر وہ ہستی ہے جس کے سامنے خدا کی بھی کوئی ہستی نہیں ہے۔ اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ الْخُرَافَاتِ۔ اگر تصوف اسی کا نام ہے اور پیروں کا یہی کام ہے تو ایسے تصوف اور ایسے پیروں سے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان بلکہ ہر انسان کو محفوظ رکھے۔ آمین یا رب العالمین۔

قلندروں کے ان مکتوبات کے مطالعے سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ اس طائفے کا ہر فرد مائل بہ تشیع تھا، بلکہ تفضیلی عقائد رکھتا تھا، یہی وجہ ہے کہ دو سو صفحات کی اس کتاب میں کہیں حضرات صدیق اکبرؑ و فاروق اعظمؑ کا تذکرہ نہیں ہے، حالانکہ اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرات شیخینؑ تمام صحابہؓ سے افضل ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ عبدالرحمن قلندر لاہر پوری نے مسعود علی قلندر الہ آبادی کو جو خط لکھا ہے اس میں صاف لفظوں میں مرقوم ہے کہ ”ولایت نبوت سے افضل ہے، کیونکہ نبوت قید ہے اور ولایت آزادی ہے۔ چنانچہ مولوی رومی فرماتے ہیں۔“

© rasailojaraid

کیست مولیٰ؟ آنکہ آزادت کند بند رقیّت ز پائیت بر کند
زیں سبب پیغمبر با اجتہاد نام خویش و آں علی مولا نہاد
(ص ۱۲۹ و ۱۳۰)

چونکہ مکتوب عبدالرحمن قلندر مذکور کے اس گمراہ کن اقتباس سے اس کتاب کے پڑھنے والوں کے ذہنوں میں خلجان اور اضطراب پیدا ہونا یقینی ہے اسلئے اس باب میں رفع اشتباہ اور ازالہ ضلالت کے لئے اہل سنت کا مسلک بیان کر دینا ضروری ہے۔

(۱) تمام محققین اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ نبوت بہر حال ولایت سے افضل ہے
(۲) ”ولایت“ غیر قرآنی اصطلاح ہے۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ ”ولایت“ کہیں مذکور

نہیں۔

(۳) ولایت علیؑ کا عقیدہ سبائیہ باطنیہ اسمعلیہ قرامطہ کا وضع کردہ ہے۔ اسی فرقہ نے یہ جملہ بعض صوفیاء کی تصانیف میں اپنی طرف سے داخل کر دیا۔ پھر صدیوں تک نقل و نقل ہوتے رہنے کی وجہ سے یہ عقیدہ بعض جاہل سنی صوفیوں میں خصوصاً غیر متشرع خانوادوں مثلاً شطاریہ قلندریہ مداریہ روشنائیہ رسول شاہیہ وغیرہم میں مقبول بلکہ مدار علیہ بن گیا۔ چونکہ صوفیاء بالعموم اور یہ طائفے بالخصوص علم حدیث، علم تاریخ اور سیرۃ النبیؐ سے بیگانہ ہوتے ہیں اس لئے کسی صوفی نے زحمت تحقیق گوارا نہ کی اور رفتہ رفتہ جھوٹ سچ بن گیا۔

(۴) قارئین کی آگاہی کے لئے یہ وضاحت بھی کئے دیتا ہوں کہ قرآن کی رو سے ہر مؤمن ولی اللہ (اللہ کا دوست) ہے اور خود اللہ ہر مؤمن کا ولی (دوست) ہے۔ ولایت بمعنی دوستی شمرہ ہے اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے کے بعد اعمال صالحہ بجا لانے کا یہی وجہ ہے کہ عقیدہ ولایت کا قرآن میں کہیں تذکرہ نہیں ہے اور نہ یہ کوئی منصب ہے جو کسی فرد سے مختص کیا گیا ہو جس طرح نبوت ایک منصب ہے جو ختم نبوت سے پہلے بعض افراد کو عطا کیا جاتا رہا ہے۔

(۵) ولایت کے لئے ”نصب“ مطلق نہیں ہے کیونکہ یہ کوئی منصب ہی نہیں

ہے۔ اللہ جانتا تھا کہ باطل پرست ”ولایت علی“ کا عقیدہ باطلہ وضع کریں گے اور رسول اللہ کی رسالت کا مقصد یہ قرار دیں گے کہ اللہ نے انہیں لوگوں سے ولایت علی کی بیعت لینے کے لئے مبعوث کیا تھا، اسی لئے اللہ نے سارے قرآن میں لفظ ولایت (واؤ کے زیر کے ساتھ استعمال نہیں فرمایا، تاکہ ظلمت پرستوں کو قرآن سے کوئی سند نہ مل سکے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ مِنْ جَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ

(۶) قارئین کی تسلی خاطر کے لئے وہ آیت قرآنی ذیل میں درج کرتا ہوں:

﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾

(البقرہ: ۲۵۷)

”اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لاتے ہیں (اس دوستی کا ثمرہ یہ ہے کہ) اللہ انہیں (کفر و شرک و بدعات کی) تاریکیوں سے نکال کر (قرآن اور ہدایت کے نور) میں لے آئے۔“

(۷) اللہ سے دوستی کرنے (درجہ ولایت پر فائز ہونے) کے لئے کسی واسطے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر مومن بلا واسطہ ولی اللہ بن جاتا ہے اور اللہ اس کا ولی بن جاتا ہے۔

(۸) رومیؒ کے اشعار کا وہ مطلب ہی نہیں ہے جو یہ فاضل قلندر سمجھا ہے اور نہ رومیؒ ایسی گمراہ کن بات کہہ سکتے ہیں۔ ان کی مثنوی میں اگر کوئی بات قرآن حکیم کے خلاف نظر آئے تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ کسی باطنی کی کارستانی ہے یا کسی سبائی کی تدسیس ہے۔

(۹) مولوی رومی کہتے ہیں:

کیست مولا؟ آنکہ آزادت کند بند رقیّت ز پائیت بر کند
چوں بآزادی نبوت ہادی است مومنان را ز انبیاء آزادی است
(دفتر ششم)

مولا (آقا یا ہادی) کون ہے؟ وہ ہے جو تجھے (کفر و شرک کی غلامی سے) آزاد کر دے اور غلامی کی زنجیر تیرے پاؤں سے دور کر دے۔ چونکہ نبوت آزادی کی راہ دکھاتی ہے اسلئے مومنوں کو انبیاء کی بدولت آزادی کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔

اب قارئین خود غور کر لیں کہ مولوی رومی کیا کہہ رہے ہیں اور یہ لاہر پوری قلندر کیا کہہ رہا ہے۔ رومی صاف لفظوں میں کہہ رہے ہیں کہ آزادی انسان کو نبوت کی بدولت حاصل ہوتی ہے لیکن قلندر کہہ رہا ہے کہ ولایت کی بدولت حاصل ہوتی ہے نبوت توقید ہے!

میری رائے میں قلندر مذکور سراسر معذور ہے۔ جب قلب و نظر میں زلیغ پیدا ہو جاتا ہے تو انسان ایسی ہی بہکی بہکی باتیں کیا کرتا ہے۔ یہ تو مثنوی ہے اگر ایسا آدمی قرآن پڑھتا ہے تو اسے اس میں بھی ولایت ہی نظر آتی ہے۔

اگر قارئین میری اس تلخ گوئی کو برداشت کر لیں گے (کیونکہ سچ ہمیشہ تلخ ہوتا ہے) اور ٹھنڈے دل سے غور کریں گے تو وہ یقیناً مجھ سے متفق ہو جائیں گے کہ آج چودھویں صدی ہجری میں اہل سنت کی اکثریت کے عقائد میں شرک و بدعت کی آغوش کا سب سے بڑا سبب یہی غلط روایات ہیں جو صدیوں سے تصوف کی کتابوں میں راہ پا چکی ہیں اور بزرگوں سے منسوب ہو جانے کی وجہ سے شک و شبہ یا تنقید سے بالاتر ہو چکی ہیں۔

یہ شور تو ہر طرف برپا ہے اور یہ کلمہ تو ہر دماغ اور ہر خطیب کی زبان پر ہے کہ مسلمان قرآن سے بیگانہ ہو چکے ہیں، مگر یہ کوئی نہیں بتاتا کہ اس بیگانگی کے اسباب کیا ہیں؟ اس کی وجہ میں بتائے دیتا ہوں۔ اگر وہ ماخذ اور منبع کی نشاندہی کرنے کی غلطی کریں گے تو ان کی شہرت، عزت اور ہر دل عزیز کی ایک ہی تقریر کے بعد ختم ہو جائے گی اور چند روز کے بعد ان کی دکان بند ہو جائے گی۔ جسے شک ہو وہ تجربہ کر کے دیکھ لے۔ وَاللّٰهُ عَلٰی مَا اَقُولُ شَهِيدٌ۔

نظام القلوب مصنفہ شیخ نظام الدین چشتی اورنگ آبادی میں حضرت مصنف نے جہاں اور بہت سے اذکار درج کئے ہیں وہاں صفحہ ۳۰ پر یہ ذکر بھی لکھا ہے: ”ذکر پنج فرقی‘ جانب ایمن یا محمد‘ جانب ایسر یا علی‘ جانب بالا یا فاطمہ‘ در پیش یا حسن‘ در دل یا حسین۔“

یہ عاجز اس ذکر کو پڑھ کر سخت حیران ہوا کہ شاہ صاحب نے یہ ذکر کیسے درج کر

دیا، یہ تو سراسر خلاف ارشاد خداوندی ہے، اسلئے ناجائز بھی ہے اور شرک بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ذکر کو اپنی ذات سے مختص فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

”اور اللہ کا ذکر بکثرت کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔“

پورا قرآن حکیم ذکر اللہ کی تاکید و تلقین سے بھرا ہوا ہے۔ اللہ نے کسی جگہ بھی غیر اللہ کے ذکر کا حکم نہیں دیا ہے، کیونکہ غیر اللہ میں تو کسی قسم کی بھی طاقت یا قوت نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَالًا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ

إِذَا مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ وَإِنْ يُمَسِّسَكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۚ وَإِنْ

يُرِيدْكَ بِسَخِيرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ ۚ يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ وَهُوَ

الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝﴾ (یونس: ۱۰۶، ۱۰۷)

”(اے انسان) اللہ کے سوا کسی کو مت پکار جو نہ تجھے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان

پہنچا سکتا ہے۔ پس اگر تو غیر اللہ کو پکارے گا تو اسی وقت ظالموں میں سے ہو

جائے گا۔ اگر اللہ تجھے کسی مصیبت میں گرفتار کر دے تو اللہ کے سوا کوئی انسان

اس مصیبت کو دور نہیں کر سکتا اور اگر اللہ تیرے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو

کوئی انسان اس کے فضل کو دور نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا

ہے بھلائی پہنچاتا ہے اور وہ غفور اور رحیم ہے۔“

سارا قرآن شرک کی مذمت اور توحید کی تلقین سے بھرا پڑا ہے۔ کلمہ طیبہ کا مطلب

ہی یہ ہے کہ پہلے غیر اللہ کی نفی کرو، پھر اللہ کا اثبات کرو۔ غیر اللہ میں کوئی قدرت یا

طاقت نہیں ہے۔ چنانچہ اکبر الہ آبادی لکھتے ہیں:

جو غیر خدا کو مانتا ہو قادر اکبر بخدا کہ وہ مسلمان ہی نہیں!

تصوف تو نام ہی ہے لوح دل سے نقش غیر کو مٹانے کا۔ جو تصوف غیر اللہ کے نام کو

دل میں جاگزیں کرنے کی ہدایت کرتا ہے وہ تصوف نہیں ہے، بلکہ سراسر گمراہی اور

ضلالت ہے۔ یہ ذکر بیخ فرقی وہی تلقین کر سکتا ہے جو غیر اللہ کو قادر یقین کرتا ہو، یعنی

مشرک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنے کا بھی حکم نہیں دیا تو دوسرے افراد کس شمار میں ہیں۔

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ شاہ صاحب نے یہ ذکر جو دراصل شرک ہے، کس طرح اپنی تصنیف میں درج کر دیا۔ اس ذکر کی سند قرآن کے علاوہ کسی حدیث سے بھی نہیں مل سکتی، اور مل بھی کیسے سکتی ہے؟ آنحضرت ﷺ قرآن کے خلاف کوئی حکم کیسے دے سکتے ہیں؟

میں پورے یقین کے ساتھ لکھتا ہوں کہ غیر اللہ کے ذکر سے دل میں نور کے بجائے ظلمت پیدا ہوگی اور ذکر اطمینان قلب سے محروم ہو جائے گا، کیونکہ اللہ فرماتا ہے:

﴿إِلَّا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ (الرعد: ۲۸)

”آگاہ ہو جاؤ کہ قلوب صرف ذکر اللہ سے اطمینان (سکون) حاصل کر سکتے ہیں۔“

۵) سید سلامت علی شاہ قادری کی تصنیف موسومہ حقائق و معارف القدر کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قادری، سہروردی اور چشتی، ان تینوں سلسلوں کے اکثر و بیشتر افراد حضرت علیؑ کو وحی نبی یقین کرتے ہیں، حالانکہ یہ عقیدہ اہل سنت والجماعت کے اجماعی عقائد کے سراسر خلاف ہے کہ حضرت علیؑ آنحضرت ﷺ کے وحی تھے۔ یہ عقیدہ تو عبد اللہ بن سبابی فرقہ ضالہ سبائیہ کی ایجاد ہے اور سبائیت کی تمام شاخوں کا اور ان سے جس قدر فرقے نکلے، سب کا سنگ بنیاد ہے بلکہ اہل سنت اور سبائیت کے درمیان ماہہ الامیاز ہے۔ جوئی صوفی خواہ چشتی ہو یا قادری، یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت علیؑ وحی رسول ﷺ تھے، وہ دوسرے لفظوں میں تینوں خلفائے راشدینؓ کو ”غاصب“ تسلیم کرتا ہے۔ خواہ وہ مصلحتاً یا تنقیہ زبان سے اس کا اقرار کرے یا نہ کرے۔

چنانچہ مذکورہ بالا کتاب کا جاہل مصنف آغاز کتاب میں لکھتا ہے:

”ہدیہ سلام علی دریائے ولایت علی ولی وحی نبی..... الخ“

اس کے بعد لکھتا ہے ”علی ذریۃ الحسن والحسین..... الخ“

صفحہ ۶ پر یہ رباعی لکھی ہے:

یا رب برسات رسول الثقلین یا رب بغزا کتندہ بدر و حنین
عصیان مراد و حصہ کن در عرصات نیے بخسن بخش و نیے بحسین
پوری کتاب میں حضرات شیخین کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ ان پر ہدیہ سلام بھیجنا تو
خارج از بحث ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس شخص کے اسلوب نگارش اور ایک سبائی کے اسلوب میں
کیا فرق پایا جاتا ہے؟ وہ بھی رسول کے بعد حضرت علیؓ کا ذکر کرتا ہے اور انہیں وصی
قرار دیتا ہے۔ اس نام نہاد سنی قادری نے بھی رسول کے بعد یک لخت حضرت علیؓ کا ذکر
کیا ہے اور انہیں وصی قرار دیا ہے۔

اس کتاب کی دوسری جلد میں صفحہ ۱۳ پر یہ غیر اسلامی عقیدہ درج ہے:
”معدن الجواہر میں ایک روایت نقل کی گئی ہے (۲۹) کہ مقتدائے زماں امین
خاں نے منقول ہے کہ ایک رات میں اپنے گھر میں بیٹھا تھا کہ حضرت قطبی ابوالفتح
شاہ مس الدین شیخ محمد شریف قادری ملتانی کو دیکھا کہ دایاں ہاتھ بند کئے ہوئے
میرے سامنے کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میری ہتھیلی کو دیکھ۔ جب میں نے
ایسا کیا تو پوچھا کیا دیکھا؟ میں نے کہا محمد ﷺ کو۔ فرمایا اب پھر دیکھ۔ میں نے
پھر ہتھیلی کی طرف دیکھا۔ پوچھا اب کسے دیکھا؟ میں نے کہا علیؓ کو۔ فرمایا پھر
دیکھ میں نے پھر دیکھا۔ فرمایا چہ دیدی؟ (کیا دیکھا یا کسے دیکھا؟) میں نے کہا
عبدالقادر جیلانیؒ کو۔ فرمایا تجھ پر لازم ہے کہ کبھی ان تینوں میں فرق نہ کرنا۔
محمد ﷺ، علیؓ اور عبدالقادرؒ، یہ تینوں بظاہر تین وجود نظر آتے ہیں مگر باطناً
(باعتبار باطن) ایک وجود ہیں اور معیت تامہ رکھتے ہیں۔ مبارک ہے وہ جو یہ
اعتقاد رکھے اور ناقص ہے وہ جو اس کے خلاف (ان کو تین) سمجھے..... شاہ نعمت
اللہ کرمانی (شیعہ صوفی) نے بھی اپنے اس شعر میں اس معنی کو واضح فرمایا ہے:

مصطفیٰ را مرتضیٰ دان مرتضیٰ را مصطفیٰ
خاک در چشم دو بینان دعا باید زدن

(۲۹) اس نام کی ایک کتاب شیخ عطار سے بھی منسوب ہے مگر یہ وہ نہیں ہے بلکہ یہ کسی ہندی باطنی کی تصنیف
کثیف ہے۔

یہ روایت مذکورہ بالا (کہ تینوں ایک ہیں) ان احادیث مندرجہ ذیل کی روشنی میں معیت نامہ پر دلالت کرتی ہے:

(۱) ((لَحْمُكَ لَحْمِي وَدَمُكَ دَمِي))

”تیرا گوشت میرا گوشت ہے اور تیرا خون میرا خون ہے۔“

(۲) ((أَنَا وَعَلِيٌّ مِنْ نُورٍ وَاحِدٍ))

”میں اور علی ایک ہی نور سے (مخلوق) ہیں۔“

(۳) ((أَنَا أَنْتَ وَأَنْتَ أَنَا يَا عَلِيُّ))

”اے علی میں تُو ہوں اور تُو میں ہے۔“

(انتہی بالفاظ، ص ۳۳۸، ج دوم)

یہ روایت تو میں نے دل پر جبر کر کے نقل کر دی ہے اب اس پر تنقید کرنے کے لئے فولاد کا جگر کہاں سے لاؤں؟ اگر قطبی ملتانی زندہ ہوتے تو ان سے عرض کرتا کہ یا حضرت! اس عقیدے میں اور نصاریٰ کے عقیدے میں کیا فرق ہے؟ وہ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ باپ، بیٹا اور روح قدس اگر چہ ظاہر اُتین ہیں مگر باطناً ایک ہیں۔

عجیب بات ہے کہ اللہ تو یہ فرمائے کہ جو یہ عقیدہ رکھے وہ کافر ہے: ﴿لَقَدْ كَفَرَ

الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَلَاثٌ ثَلَاثَةٌ﴾ اور آپ یہ کہیں کہ جو یہ عقیدہ رکھے وہ بہت مبارک ہے!

دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ مزعومہ احادیث جن سے آپ نے معیت نامہ پر استدلال کیا ہے اہل سنت کی مسلمہ و متداولہ کتب احادیث میں سے کون سی کتاب میں مندرج ہیں؟ یا ان کی سند کیا ہے؟

یہ عاجز بڑے ادب مگر بڑے وثوق کے ساتھ یہ کہنے کی اجازت چاہتا ہے کہ انہی روایات کا کرشمہ ہے کہ آج چودھویں صدی ہجری میں حیدر آباد دکن، گلبرگہ اور بنگ آباد، پیران کلیئر، بریلی، بدایوں، دہلی، اجمیر، دیوہ، ردولی، کچھوچھ، ماہریرہ، لاہور، پاک پتن، ملتان، اُچ، جلاپور، پیر والا، سیوان، درازہ، حجرہ شاہ، مقیم اور بھٹ شاہ کے اکثر مزارات سائنت اور باطنیہ کے فریغ و شہیج کے مرکز بن گئے ہیں۔

نیز یہ مسکین بسمیم قلب اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس دور عقلیت میں اگر دین اسلام سے واقف مسلمان تصوف اور صوفیوں سے بدظن نظر آتے ہیں اور تصوف کو ”بے راہ روی“ سے تعبیر کرتے ہیں تو حق بجانب ایشان است۔ کیونکہ انہیں نہ اس کی ضرورت ہے نہ فرصت ہے کہ وہ اس عاجز کی طرح قوتِ لایموت اور رزقِ مایحتاج پر قناعت کر کے بیس بائیس سال تک گوشہ میں بیٹھ کر تیسری صدی ہجری سے لے کر تا عصر حاضر تصوف کی تمام کتابوں کو کھنگالیں اور کھوٹے کو کھرے سے جدا کریں اور اس کے صلے میں غیروں کی گالیاں اور اپنوں کے طعنے سنیں۔

الحمد للہ کہ یہ عاصی و کم سواد قرآن و حدیث کے مطالعے کی بدولت اس حقیقت سے آگاہ ہو چکا ہے کہ تصوف شرعی اصطلاح میں احسان کا معروف نام ہے (اگرچہ بدنام ہو چکا ہے) اور دراصل عبارت ہے تزکیہ نفس سے جو مقصودِ حیات بھی ہے اور بعثتِ نبوی کی غایت بھی ہے۔ اس لئے یہ طریق درہمہ حال، مقید بالکتاب اور مشید بالسنۃ رہنا چاہئے۔ اس لئے تینوں کو ایک سمجھنا نصرانیت یا باطنیت کی تعلیم تو ہو سکتی ہے اسلام کی تعلیم ہرگز نہیں ہو سکتی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْخَوَافَاتِ۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنی ذات کو مومنوں کی محبت کا مرکز قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں (ان کی شناخت یہ ہے کہ) وہ اللہ کی محبت میں بغایت شدید ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو مرکزِ محبتِ مومنین اس لئے بنایا ہے کہ وہ اپنی جانیں اور اپنے اموال اللہ کی راہ میں قربان کر سکیں۔ کیونکہ انسان کی فطرت ہی یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب پر اپنی جان اور اپنا مال بخوشی قربان کر دیتا ہے۔ صحابہؓ میں حضرت صدیق اکبرؓ کو جو افضلیت حاصل ہے اس کا سب سے بڑا سبب یہی بذلِ اموال فی سبیل اللہ ہے۔ چنانچہ کوئی صحابی اس وصفِ خاص میں صدیق اکبرؓ کا ہمسر نہیں ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت اس پر شاہد ہے:

﴿وَسَيُجَنِّبُهَا الْاَلَنَقَى ۝ الَّذِي يُوْبِسِيْ مَا لَهٗ يَنْزَعُهَا ۝﴾ (البقرہ: ۱۷۷)

اور وہ اس کو ایسی چیز سے بچائے گا جو اس کو برباد کر دے (یعنی وہ اس کو ایسی چیز سے بچائے گا جو اس کو برباد کر دے) سب سے بڑا پرہیزگار (مقی) دور رکھا جائے گا جو اپنا

مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے تاکہ وہ پاک ہو جائے۔“

یہ آیت جیسا کہ تمام مفسرین نے لکھا ہے کہ صدیق اکبرؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے اس لئے ”اتقی“ (سب سے بڑا متقی) کا مصداق صدیق اکبرؓ ہیں۔

اب اس آیت پر غور کرو: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقَى﴾ ”بلاشبہ اللہ کی بارگاہ میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ مکرم (افضل) وہ ہے جو تم لوگوں میں سب سے بڑا متقی ہے۔“ لہذا ثابت ہوا کہ حضرت صدیق اکبرؓ (سب سے زیادہ معزز ہیں) اس لئے تمام مفسرین، محدثین، فقہاء اور متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ صدیق اکبرؓ افضل الصحابہ اور اس لئے انبیاء کے بعد افضل الناس میں ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔

پیر و ان ابن سبائے مسلمانوں پر سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ اللہ کے بجائے حضرت علیؓ کو ان کی محبت کا مرکز بنا دیا اور اس مقصد کے لئے بہت سی روایتیں وضع کی گئیں۔ جن میں سے ایک ذیل میں درج کی جاتی ہے:

قاضی نور اللہ شوستری (مقتول بحکم جہانگیر در ۱۰۱۹ھ) نے اپنی مشہور تصنیف احقاق الحق جلد ہفتم صفحہ ۱۵۲ میں یہ روایت درج کی ہے:

اذا سمعت النداء من قبل الله يا محمد من تحب ان يكون معك في الارض؟ فقلت احب من يحبه العزيز الجبار و يامر بمحبته. فسمعت النداء من الله يا محمد احب عليا فاني احبه و احب من يحبه. فبكي جبريل و قال لو ان اهل الارض يحبون عليا كما تحبه اهل السماء ما خلق الله النار

”آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ (شب معراج میں) اللہ کے سامنے یہ ندا سنی گئی کہ اے محمدؐ تو کس سے محبت کرتا ہے کہ وہ دنیا میں تیرا رفیق ہو؟ میں نے کہا میں اس سے محبت کروں گا جس سے العزیز الجبار (خدا) محبت کرتا ہے اور اس کی محبت کا مجھے حکم دے۔ پس میں نے اللہ کے سامنے یہ ندا سنی کہ یا محمدؐ تو علیؓ سے محبت کر، کیونکہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور جو شخص اس سے محبت کرے اس سے (بھی) محبت کرتا ہوں۔ یہ سن کر جبریل رونے لگا اور کہا کہ اگر اہل زمین

بھی علیؑ سے ایسی محبت کرتے جیسے کہ اہل آسمان اس سے محبت کرتے ہیں تو اللہ دوزخ کو پیدا ہی نہ کرتا۔“ (ختم شد لفظی ترجمہ)

فرقہ سبائیہ نے یہ روایت وضع کی اور ان کے جانشینوں یعنی باطنیہ نے صوفیوں کا لبادہ پہن کر اس روایت کو سنتیوں کے دماغوں میں جاگزیں کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی اکثریت ایزد پرستی کے بجائے شخصیت پرستی میں مبتلا ہو گئی اور اللہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اور انہوں نے اللہ کے بجائے ایک شخص کو اپنی محبت کا مرکز بنا لیا۔ چنانچہ شاہ تراب علی قلندر کا کوروی اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

”حب حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ در ضمیر ماست کہ ہم از اولاد آنحضرت ایم و ہم سلسلہ مشائخ بابا آنحضرت می رسد چگونہ مرا حب آں جناب نباشند؟ شاد و تعصب مذہب گرفتار نباشند۔ آنچه مذہب حنفیہ است براں باشند۔“

© rasailojaraid.com

شاہ صاحب کی اس عبارت سے ثابت ہوا کہ حب علی ان کا خیر ہے۔ اب معمولی عقل والا بھی اس حقیقت سے واقف ہے کہ انسان جسے محبوب رکھتا ہے اسی کو سب انسانوں میں افضل اور اعلیٰ اور برتر یقین کرتا ہے۔ یہ عقلاً ناممکن ہے کہ ایک شخص محبوب تو رکھے حضرت علیؑ کو اور افضل یقین کرے حضرت صدیق اکبرؑ کو، پس جو شخص فی الجملہ حضرت علیؑ کو افضل سمجھتا ہے وہ اہل سنت و الجماعت کے دائرے سے باہر ہے کیونکہ تشیع اور تسنن میں بنیادی فرق ہی یہ ہے کہ شیعہ حضرات حضرت علیؑ کو افضل مانتے ہیں اور سنی حضرات حضرت صدیق اکبرؑ کو افضل مانتے ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی مشہور اور مستند تصنیف ”تکمیل الایمان شرح شرح عقائد نسفی“ میں یوں رقم طراز ہیں:

و الخلفاء الاربعة افضل الاصحاب و فضلهم علی ترتیب الخلافة
”چاروں خلفاء تمام صحابہؓ سے افضل ہیں اور ان چار کی بزرگی ان کی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے۔“ یعنی پہلے صدیق اکبرؑ، پھر فاروق اعظمؑ، پھر حضرت عثمانؑ، پھر حضرت علیؑ (اردو ترجمہ تکمیل الایمان صفحہ ۶۸)

باز آدم بر سر مطلب۔ شوستری نے جو روایت نقل کی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ایک شخص سے محبت کرتا ہے حالانکہ قرآن حکیم ناطق بالصواب ہے کہ ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًا كَانَتْهُمْ بُنْيَانًا مَوْصُوصًا﴾ (الصّف: ۴) ”بلاشبہ اللہ محبت کرتا ہے ان لوگوں سے جو قتال کرتے ہیں اس کی راہ میں صف باندھ کر کہ گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔“

اب مسلمانوں کو اختیار ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو تسلیم کریں یا شوستری کی نقل کردہ روایت کو۔ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا ہاں اقبال کے مرشد معنوی حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم کی ایک رباعی نقل کئے دیتا ہوں جو ایک مقالے سے بھی زیادہ

© rasailojaraid.c

سر رشتہ اتحاد ہم سے چھوٹا آپس ہی کی خانہ جنگیوں نے لوٹا
قرآن کے اثر کو روک دینے کے لئے ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا
ایک شعر مرید کا بھی درج کئے دیتا ہوں:-

حقیقت خرافات میں کھو گئی یہ امت روایات میں کھو گئی
(۷) سید محمد گیسو (۳۰) دراز جن کا مزار گلبرگہ (دکن) میں ہے اپنی مشہور تصنیف
جوامع الکلم میں لکھتے ہیں:

”خلافت آنحضرت ﷺ بردوگونہ است“ یکے خلافت صغریٰ کہ مراد از خلافت
ظاہری است۔ دوم خلافت کبریٰ کہ مراد از خلافت باطنی است و مخصوص بحضرت
علی است۔“

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ سید صاحب نے یہ تقسیم کس بنیاد پر کی ہے۔ قرآن حکیم یا
کسی صحیح حدیث سے تو اس کی تائید ہرگز نہیں ہوتی۔ قرآن میں تو صرف ایک ہی قسم کی
خلافت کا ذکر ہے:

(۳۰) گوکلنڈے کا آخری شیعہ بادشاہ ابوالحسن المعروف بہ تانا شاہ شاہ راجو قتال کا نہایت مخلص مرید تھا جو
گیسو دراز کی اولاد میں سے تھے۔ چونکہ کوئی شیعہ بقائگی ہوش و حواس کسی سنی کا مرید نہیں ہو سکتا اس
لئے راجو قتال کے شیعہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور گیسو دراز کا مذہب ان کی مذکورہ بالا تقسیم سے

© rasailojaraid.c

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي
الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي
ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا﴾ (النور: ۵۵)

” (صحابہ کرامؓ سے خطاب ہے) اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے
جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ انہیں ضرور ملک کی حکومت عطا کرے گا
(خليفة بنائے گا زمین میں) جیسا کہ ان سے پہلوں کو عطا کی تھی اور ان کے لئے
جس دین کو اس نے پسند کیا ہے ضرور مستحکم کر دے گا اور یقیناً ان کے خوف کو
امن سے بدل دے گا۔“

جیسا کہ تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے یہ تینوں وعدے حضرات شیخینؓ کے
مبارک عہد میں پورے ہو گئے۔ اس خلافت ارضی کے علاوہ قرآن حکیم میں نہ صغریٰ کا
ذکر ہے نہ کبریٰ کا اور نہ ظاہری کا بیان ہے نہ باطنی کا۔ جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں
”باطنیت“ کا تصور صحابہ کے زمانے میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ یہ تو سبائے اسماعیلیہ قرامطہ
باطنیہ کے دماغوں کی ایجاد ہے اور اسی لئے انہیں باطنیہ کہتے ہیں۔ سید گیسو دراز بھی انہی
باطنیہ کے ہمنوا نظر آتے ہیں۔ اور مجھے اس فصل میں یہی دکھانا ہے کہ باطنیہ کے عقائد
اکثر سنی صوفیوں کے دل و دماغ میں راسخ ہو چکے ہیں۔

(۸) چونکہ باطنیہ کے تمام بنیادی عقائد (basic doctrines) قرآنی تعلیمات
کے خلاف ہیں اس لئے انہوں نے سب سے زیادہ توجہ اس بات پر مبذول کی کہ جس
طرح ہو سکے اہل سنت کو قرآن سے بیگانہ بنا دیا جائے تاکہ وہ غیر قرآنی عقائد کو قبول
کر سکیں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے سب سے پہلا کام تو یہ کیا کہ تصوف کا لباس
زیب تن کیا (۳۱) اور صوفی بن کر اپنے عقائد عوام اہل سنت میں شائع کر دیئے۔ دوسرا
(۳۱) اگرچہ اس کے شواہد قبل ازیں پیش کر چکا ہوں تاہم ایک شاہد اور پیش کئے دیتا ہوں: ”رسالہ
در حقیقت دین“ مصنف شہاب الدین شاہ ولد علی شاہ (باطنیہ نزاریہ شاخ کا ۳۷۷ واں امام)
کے دیاچے میں پروفیسر آئی وے ناف لکھتا ہے:

”یہ بات بخوبی مشہور ہے کہ فرقہ اسماعیلیہ نے ایران میں مجبوراً اپنی تصانیف کو فلسفہ
تصور میں مخفی کیا اور بلاشبہ فلسفہ اسماعیلیت اور فلسفہ تصوف میں بہت سے

کام یہ کیا کہ علم الاعداد ایجاد کر کے اسے حضرت علیؑ سے منسوب کر دیا۔ ہر عدد کو خاص تاثیر کا حامل قرار دیا اور تعویذ و طلسم لکھ کر عوام میں تقسیم کرنا شروع کئے۔ اس طرح عوام اُن کے معتقد ہو گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات کے نقوش مرتب کئے اور ان سے غیر معمولی فوائد منسوب کر دیئے۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد تصوف اور تعویذ لازم و ملزوم ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ قرآنی آیات پر عمل کرتے تھے اور ان باطنی صوفیوں کے زیر اثر آ کر مسلمانوں نے قرآنی آیات کو لکھ کر گلے میں ڈالنا شروع کر دیا۔

جو قرآن مجید تہران سے ۱۳۳۷ء خورشیدی میں شائع ہوا ہے اس میں بہت سے نقوش بھی درج کئے گئے ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۱۰۸ پر یہ عبارت مرقوم ہے:

”نقل است از خاتم المجتہدین شیخ ہاؤ الدین عالمی کہ ہر کہ در عمر خود یک بار
برایں شکل نظر کند آتش دوزخ بروے حرام گرد۔“

وہ شکل یہ ہے:

⇐ امور مشترک ہیں۔

یہ رسالہ فارسی میں ہے، آئی دے ناف نے اس کا دیباچہ انگریزی میں لکھا ہے۔ ۱۹۳۳ء میں بمبئی سے شائع ہوا تھا۔ میں قصداً اس رسالے سے تین اقتباسات ذیل میں درج کرتا ہوں تاکہ میرا دعویٰ ثابت ہو سکے کہ باطنیہ نے تصوف کے پردے یا لباس میں اپنے عقائد کی اشاعت کی اور سنی صوفیوں نے ان کے عقائد کو دانستہ یا نادانستہ طور پر اختیار کر کے اسلامی تصوف کو کفر و اسلام کا ملغوبہ بنا دیا اور اب غیر اسلامی عقائد کو تصوف سے خارج کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کہ گوشت کو ناخن سے جدا کرنا۔

(الف) فصل پنجم در معرفت : در حدیث قدسی فرماید ”اے محمد! اگر تو نبودے آسمانہارا خلقت نمی کردم۔ دور جائے دیگر است۔“ ”اگر علی نبودے ترا خلقت نمی کردم۔“ از آیت چنان معلوم می شود کہ ”اگر رسول“ ولایت اور اظہار نمی ساخت رسالت ناقص بود۔ پس ایں ہم اسباب آفرینش و ارسال رسل و انزال کتب برائے شناختن او (علی) بود۔“ ص ۱۳

(ب) ”اے جلوہ حق! چہ طور آشکارا شدی کہ ہمہ فکر ہادر تو متحیر ماندند۔ خوشا جمال ازل خویش را پناہاں ساختی و ایں طور آشکارا شدی کہ جمیع خدایت خواندند۔“ ص ۲۱

(ج) ”محمد علی ہر دو یک نور بودند۔ در میان مردم بد و لباس جلوہ نمودند۔“ ص ۲۲



میں نے افادہ عام کے لئے یہ شکل بجنہ نقل کر دی ہے۔ اس نوعیت کے نقوش اس قرآن کے صفحہ ۱۰۲ سے صفحہ ۱۱۰ تک کثیر تعداد میں درج کئے گئے ہیں۔ میں اس قدر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب نقش مرقومہ بالا کے صرف ایک مرتبہ دیکھ لینے سے دوزخ حرام ہو جائے گی تو قرآن مجید کی تلاوت یا اس کے سمجھنے کی کیا ضرورت باقی رہ گئی۔

رفتہ رفتہ مسلمان اس ظلم میں گرفتار ہو گئے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک کتاب نظر سے گزری جس کا نام دارالانظیم ہے۔ یہ کتاب امام الفتن عبداللہ بن یافعی الیمنی کی تصنیف ہے اور مطبع نول کشور لکھنؤ سے ۱۸۸۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں صفحہ ۶۱ پر

©rasailojaraid.com



اس کے ساتھ ایک نظم بھی لکھی ہے جسے حضرت علیؑ سے منسوب کر دیا ہے۔ صفحہ ۱۲۶ پر بضمن خواص سورہ نور یہ عبارت مرقوم ہے جسے میں بجنہ نقل کئے دیتا ہوں۔ ترجمہ کرنے سے قصد احتراز کرتا ہوں:

”من کتبها و جعلها فی فراشه الذی ینام فیہ لم یحتلم ابدا وان کتبت بماء زمزم و شر بها انقطع عنه شهوة الجماع و ان جامع لم یجد لذته“۔

غالباً یہ مصرعہ انیس کا ہے ”ع“ دل صاحب اولاد سے انصاف طلب ہے“

میں اس میں قدرے تغیر کر کے کہتا ہوں۔

دل صاحب ایمان سے انصاف طلب ہے

قرآن سے یہ دل لگی! اُف کیسا غضب ہے

قرآن حکیم پر یہ ظلم تو شاید کافروں نے بھی نہیں کیا ہوگا جو اس امام الفتن نے کیا۔

بہر حال باطنی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ آج مسلمانوں میں قرآن کی جو حیثیت

گئی۔ یہ حال کے لفظوں میں بیان کرتا ہوں۔

©rasailojaraid.com

بآتش ترا کارے جز این نیست
کہ از یلین او آسان بمیری

(۹) شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی سلسلہ چشتیہ کے مشہور مشائخ میں سے ہیں، لیکن انہوں نے اپنے دیوان میں جو مناجات لکھی ہے اس میں حضرت علیؑ کو ”وصی نبی“ تسلیم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بحق دوازدہ ائمہ شیعہ التجا کی ہے۔ انتہا یہ ہے کہ شیخ جیلانیؒ کو بھی واسطہ بنایا ہے مگر افضل الاولیاء والائمہ بلکہ افضل الصحابہؓ حضرت صدیق اکبرؓ کا کہیں تذکرہ نہیں کیا ہے۔ پوری مناجات تو بخوف طوالت نقل نہیں کر سکتا، صرف ایک شعر درج کرتا ہوں۔

بحق امام علیؑ مرتضیٰ

وصی نبیؑ ولی خدا

شاہ صاحب چونکہ عالم دین تھے اس لئے یہ حقیقت ان سے مخفی نہیں ہو سکتی تھی کہ اہل سنت اور اہل تشیع میں یہ عقیدہ (کہ علیؑ وصی نبیؑ تھے) مابہ النزاع بھی ہے اور مابہ الامتیاز بھی ہے۔ تمام اہل سنت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ حضور انور ﷺ نے کسی کو اپنا وصی مقرر نہیں کیا، مگر شاہ صاحب حضرت علیؑ کو صاف لفظوں میں وصی نبیؑ تسلیم کر رہے ہیں۔ بلکہ ایک غزل میں بھی اپنے اسی عقیدے کا اظہار کیا ہے۔

ولی حق وصی مصطفیٰ دریاے فیضانے

امام دو جہانے قبلہ دینے و ایمانے

اندریں حالات اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ شاہ صاحب بظاہر سنی تھے، مگر باطن شیعہ تھے، کیونکہ مناجات درکنار انہوں نے اپنے پورے دیوان میں کسی جگہ صدیق اکبرؓ یا فاروق اعظمؓ کا ذکر نہیں کیا ہے اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ ہمارے زمانے میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو بظاہر سنی ہیں مگر حضرات عثمان غنیؓ عمرو بن العاصؓ اور معاویہؓ کی تنقیص و توہین و تحقیر میں شیعہ حضرات کے ہموا بھی ہیں اور اس ہموائی پر اصرار بھی کرتے ہیں۔

(۱۰) مضمون چونکہ بہت طویل ہو چکا ہے اس لئے دیگر کتب مثلاً گلزارِ صابری

مناقب الحوین، سبع سنابل، تذکرۃ الاولیاء، سید الاقطاب، مرآۃ الاسرار، جامع السلاسل، حبیب السیر، شواہد النبوت، روضۃ الصفا، مقصد القسی، تحفۃ الراغبین، ہجۃ الاسرار، زبدۃ الحقائق اور جوامع الکلم وغیرہم میں جو غلط روایات درج ہیں ان کی تفصیل سے قلم کو روکتا ہوں۔ ان کتابوں کی اکثر روایات بالکل غلط ہیں اور اکثر روایات بہت ہی ضعیف اور ناقابل اعتبار ہیں۔ کسی روایت کی سند بیان نہیں کی گئی ہے۔ صرف ”منقول است“ کے نسخہ مجرب پر عمل کیا گیا ہے۔

آخر میں ملا علی قاری کی مشہور کتاب ”موضوعات“ سے چند اقتباسات درج کر کے اس موضوع کو ختم کرتا ہوں

(۱) سیرۃ النبی کا اولین مصنف ابن اسحاق چونکہ شیعہ تھا اس لئے..... اس نے اکثر روایات میں شیعیان کی روایات کو ترجیح دی جن سے اس کے مذہب کی تائید ہو سکے۔ مثلاً خیر کا دروازہ اکھڑنے کی روایت۔

(۲) ”کنت کنزاً مخفیاً“ الخ حدیث نہیں ہے (۳۲)

(ج) تاریخوں میں خلیفہ منتخب ہونے کے بعد حضرت عثمانؓ کے خطبہ نہ دے سکے کی روایت بھی غلط ہے۔

(د) ”کان اللہ ولم یکن معہ شیء“ یہ بھی حدیث نہیں ہے۔

(۹) ائمۃ الحدیث کے نزدیک حضرت علیؓ سے حسن بصری کی ملاقات اور تحصیل علم ثابت نہیں ہے:

فان ائمة الحديث لم يشبوا الحسن البصري من على سماعا صفحہ ۳۲

(د) خرقہ صوفیہ والی روایت کہ خدا نے معراج میں آنحضرت ﷺ کو ایک خرقہ عطا کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ جو صحابی اس کا حق ادا کر سکے اسے پہنا دینا، آنحضرت ﷺ نے حضرات صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ اور عثمان غنیؓ سے فرداً فرداً سوال کیا کہ اگر یہ خرقہ تم کو دوں تو کیا کرو گے؟ ان کے جوابات سے آپؐ مطمئن نہ ہو سکے

(۳۲) اکثر صوفیاء اسے حدیث سمجھتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفی شاعر اور عاشق بالعموم محدث نہیں

لیکن حضرت علیؑ کے جواب سے مطمئن ہو گئے کہ واقعی تم اس کا حق ادا کر سکو گے۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ یہ روایت بالکل غلط ہے اور معاندین صحابہؓ کی وضع کردہ ہے۔

(۵) یہ روایت کہ حضرت علیؑ کی نماز قضا ہو گئی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے آفتاب کو حکم دیا کہ غروب ہونے کے بجائے رجعت کر اور عصر کے وقت پر قائم ہو تا کہ وہ نماز عصر وقت پر ادا کر سکیں، یہ بھی غلط ہے۔ (۳۳)

(۶) یہ روایت کہ حجۃ الوداع کے بعد آنحضرت ﷺ نے مجمع عام میں فرمایا کہ ”علیؑ میرا وصی ہے“ قطعاً غلط ہے اور بے بنیاد ہے۔

(۷) یہ روایت کہ آنحضرت ﷺ نے ام المؤمنین سیدۃ العالمین حضرت عائشہؓ سے حدیث ظاہر فرمائی کہ ”علیؑ کے خلاف خروج مت کرنا“ پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ عائشہؓ خروج کرے تو تم ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا، سراسر کذب اور افتراء ہے اور ام المؤمنینؓ کے دشمنوں کی وضع کردہ ہے۔

(۸) یہ روایت کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؑ کو کچھ اسرار اور باطنی علوم سکھائے تھے جو دوسرے صحابہؓ کو نہیں سکھائے بالکل غلط ہے (۳۴)۔ ملا علی قاری کے اس قول پر کہ ”روافض نے حضرت علیؑ کے فضائل میں صرف تین لاکھ

(۳۳) یہ عاجز حضرت علیؑ کی عزت ملحوظ خاطر رکھ کر عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہے کہ رجعت منس اگر ہوتی تو اس دن ہوتی جب خود آنحضرت ﷺ اور تمام صحابہؓ کی چار نمازیں قضا ہو گئی تھیں۔ لہذا اس روایت پر عقلی اعتبار سے وہ اعتراض لازم آتا ہے جسے ارباب منطق ترجیح بلا مرجح کہتے ہیں۔ فافہم و تدبر

(۳۴) یہ کم سواد عرض کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ بحیثیت رسول ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ اسلام میں کوئی بزرگ (مجید) نہیں، کوئی راز نہیں، کوئی خفا نہیں، کوئی رمز و کنایہ نہیں۔ برعکس اس کی تعلیم بالکل واضح، بین اور عیاں ہے اور اس کی پیش کردہ کتاب بھی بالکل واضح اور روشن اور جلی ہے۔ چنانچہ ﴿بَلْکَ آتِیْتُ الْکُتُبِ الْمُبِیْنِ﴾ میرے دعوے پر شاہد ہے۔ یہ اسرار و رموز تو باطنیہ نے اسلام میں داخل کئے ہیں جن میں جہلاء گرفتار ہو گئے اور اللہ و رسول سے بیزار ہو گئے۔ (یوسف)

روایتیں وضع کی تھیں، اس اقتباس کو ختم کرتا ہوں۔

میرا مقصد اس اقتباس سے یہ ثابت کرنا تھا کہ میں نے جو کچھ اس بحث میں لکھا ہے اس کی تائید و توثیق ایک ایسے ماہر فن کی طرف سے ہو جائے جس نے اپنی ساری عمر احادیث کے پرکھنے میں گزاری تھی۔ اگر ناظرین ملائے موصوف کی کتاب کا مطالعہ کریں تو جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ اس سے زیادہ خود لکھ سکیں گے، بشرطیکہ تعصب مانع نہ ہو جائے۔

استدراک

بخوف طوالت میں نے علم الاعداد کا تعارف نہیں لکھا۔ اب خیال آیا کہ اتنی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے عوام کے اذہان و قلوب کو کسی قیل و قال کے بغیر بہت جلد اور بہت آسانی سے متاثر کیا جاسکتا ہے۔ ذیل میں اس کی چار مثالیں درج کرتا ہوں:

(۱) شیعوں کے بارہویں مزمومہ امام کی پیدائش ۲۵۶ھ میں بیان کی جاتی ہے۔ اس کی عظمت روحانی کا ثبوت برہان کے بجائے علم الاعداد کی مدد سے مہیا کیا گیا۔ عوام کو بتایا گیا کہ دیکھو! ”نور“ کے عدد بھی ۲۵۶ ہیں اس لئے ثابت ہوا کہ وہ نور ہے۔

(۲) بہاء اللہ (بانی مذہب بہائی) نے ۱۲۶۱ھ میں ”ظہور حق“ ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس کے پیروؤں نے عوام کو مسحور کرنے کے لئے دلیل یہ دی کہ دیکھو! یہ ظہور الحق (بہاء اللہ کے لقب) کے عدد بھی ۱۲۶۱ ہی ہیں!

(۳) حسی کے عدد ۱۸ ہیں اس لئے ۱۴ معصومین اور ۴ ابواب یعنی یہ ۱۸ افراد بھی زندہ ہیں۔

(۴) بسم اللہ الرحمن الرحیم کے حروف ۱۹ ہیں اس لئے ۱۹ کا عدد مبارک ہے اس لئے بہائیوں کا مہینہ ۱۹ دن کا ہوتا ہے۔

(۵) چونکہ ۹ کا عدد کامل ہے اس لئے جس شہر میں ۹ آدمی بہائی ہو جائیں وہاں بہائی محفل قائم کی جاسکتی ہے۔ (ماخوذ از ”باب کی نئی تاریخ“ مؤلفہ براؤن، ضمیمہ دوم، صفحہ ۳۲۸ تا ۳۳۹)

قارئین کی آگاہی کے لئے مختصر طور پر یہ کہہ دیتا ہوں کہ باطنیہ نے اپنا مذہب جن فلسفیانہ افکار و تصورات کی مدد سے مدون کیا تھا ان میں فیثا غورث کے افکار بھی شامل تھے اور جیسا کہ فلسفے کے ہر طالب علم کو معلوم ہے کہ فیثا غورث نے اپنے فلسفے کی بنیاد اعداد پر رکھی تھی اور یہ قول کہ ۹ کا عدد کامل ہے اسی کا ہے۔ مزید معلومات کے لئے مغربی فلسفے کی کسی مستند تاریخ کا مطالعہ کر لیا جائے۔

اس عاجز نے اس مضمون میں کئی جگہ یہ لکھا ہے کہ اس مضمون میں غلطیاں ہیں۔ اس لئے اکثر مواقع میں مقولے اور حدیث میں فرق نہیں کر سکتے۔

(ب) بزرگان سلسلہ کے ملفوظات پر تنقید سوء ادب سمجھتے ہیں، یعنی جو باتیں ان سے منسوب کر دی جاتی ہیں انہیں بلا تحقیق قبول کر لیتے ہیں۔

چونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ قارئین میرے اس رجحان یا نقطہ نظر کو گستاخی پر محمول کریں گے اور اس طرز بیان کو ”چھوٹا منہ بڑی بات“ سے تعبیر کریں گے اس لئے میں ذیل میں ایک ایسے شخص کے ارشادات درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو اگر ایک طرف دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث تھا تو دوسری طرف سلوک تصوف میں اتنا بلند مقام رکھتا تھا کہ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا تھا کہ میں ان کی کفش برداری کے لائق بھی نہیں ہوں۔ میری مراد حضرت اقدس سیدی و مرشدی شیخ العرب والعجم مولانا الحاج الحافظ سید حسین احمد مدنیؒ سے ہے جنہوں نے ۱۴ سال تک مسجد نبوی میں حدیث کا درس دیا تھا۔ حضرت اقدس اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”صوفیہ کی کتابوں میں ”رجعنا من الجہاد الا صغر الی الجہاد الا کبر“ کو صحیح حدیث کہا گیا ہے، لیکن عسقلانی کا قول ہے کہ امام نسائی نے اسے ابراہیم بن